

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد

22 رجب (2 جون)
یوم وفات
حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ

سلطنت اسلامیہ کی عظیم الشان توسیع

سلطنت اسلامیہ کی توسیع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں



امیر کوشنر طاہر



خبر مہند

غازی دلت علیہ محمد مائی میاں اشرفی جیلانی

جدید نثر

ہاشم بن عروہ بن عبد اللہ بن ابی سہل

حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی صاحب
کچھو کچھ

والضحیٰ پبلکیشنز

حضرت امیر معاویہ

خلیفہ راشد

امیر کشور خطابت

غازی ملت علامہ محمد ہاشمی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ

والضحیٰ پبلی کیشنز

داتا دربار مارکیٹ لاہور - پاکستان

0300-7259263, 0315-4959263

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	حضرت امیر معاویہ خلیفۃ راشد
مصنف	امیر کشور خطابت غازی ملت حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی
نہ نگاہ کرم	شیخ الاسلام سلطان المشائخ حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی
تصحیح و نظر ثانی	خطیب ملت مولانا سید خواجہ معز الدین اشرفی، مولانا محمد مجتبیٰ اشرفی
زیر اہتمام	ملک التحریر علامہ مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی
حساب ارتضا	محمد رضا الحسن قادری (مؤسس دار الاسلام، لاہور)
ناشر	والضحیٰ پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور، پاکستان 37300651
لیگل ایڈوائزر	محمد صدیق الحسنات ڈوگر، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور
اشاعت باراول	شیخ الاسلام اکیڈمی، حیدرآباد دکن (تعداد: ۵۰۰۰)
// بار دوم	ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ / اکتوبر ۲۰۱۴ء (تعداد: ۲۰۰۰)
قیمت	180 روپے

سیل پوائنٹس

مکتبہ فیضانِ مدینہ، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد 0312-6561574-0346-6021452	مکتبہ نور یہ رضویہ پبلی کیشنز: فیصل آباد، لاہور
دار الاسلام: جامع مسجد رنجی، بھائی گیت، لاہور	مکتبہ برکات المدینہ: کراچی
انوار الاسلام: چشتیاں، بہاول نگر	مکتبہ غوثیہ ہول سیل: کراچی
تفہیم الاسلام فاؤنڈیشن، دینہ	احمد بک کارپوریشن: راول پنڈی
رضا بک شاپ: گجرات	البحر بک سیلرز: فیصل آباد
مکتبہ شمس و قمر: بھائی چوک، لاہور	مکتبہ قادریہ: لاہور، گجرات، کراچی، گوجران والا
مکتبہ اہل سنت: فیصل آباد، لاہور	نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور
دار النور: داتا دربار مارکیٹ، لاہور	ججویری بک شاپ: گنج بخش روڈ، لاہور
ضیاء القرآن پبلی کیشنز: لاہور، کراچی	مکتبہ حنیفیہ سیفیہ، بہاول پور
مکتبہ فیضان سنت، ملتان، گوجران والا، لاہور	

فہرست مضامین

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۴	قصاص کی اہمیت کے اسباب	۵	پیش لفظ
۸۸	اسماءؓ زاویانِ حدیث	۱۳	فتح مکہ
۹۸	مشاجرت کے بارے میں صحیح ترین نظریہ	۱۴	حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ
۱۰۹	شہادت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	۱۶	سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
۱۱۱	عہد امام حسن رضی اللہ عنہ	۱۹	تحریکِ مقدین
۱۱۳	صلح حسن رضی اللہ عنہ	۳۹	عہد رسالت کے گورنر
۱۱۶	بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ	۴۰	عہد صدیقی کے گورنر
۱۱۷	بحث خلافت	۴۲	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
۱۱۷	تعدادِ خلفاء	۴۴	خلافت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
۱۳۶	عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۴۵	اعراضِ بیعت کے اسباب و ملل
۱۳۷	رفض و خروج - دیگر بغاوتیں	۵۳	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
۱۴۰	فتوحاتِ اسلامیہ	۵۶	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ رسالت میں
۱۴۱	شجاعتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۵۸	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ ہم عصر میں
۱۴۲	سیاسی شعور - جذبہ خدمتِ خلق	۶۱	کتابتِ وحی
۱۴۶	غیر مسلموں سے ایقائے عہد	۶۳	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں
۱۵۳	مسئلہ ولی عہدی	۶۳	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں
۱۶۲	وصیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ	۶۹	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں
		۷۲	جنگ صفین

پیش لفظ

آج ہمارے پیش نظر جو حالات ہیں، عصرِ نو میں جو نقطہ ہائے نظر رائج ہیں وہ سب ماضی کی دین ہیں۔ اسی لیے ان حالات و کوائف کو صحیح طور پر معلوم کر کے ایسی ترتیب دینا جس سے واضح ہو جائے کہ موجودہ حالات عہدِ گذشتہ کے کن واقعات و حالات کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں اسی کا نام تاریخ ہے۔

اسی بات کو دو جملوں میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں اور انسان نے عالمِ فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعے کا نام تاریخ ہے۔

جب ۱۴۳ھ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو اسی کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ موسیٰ بن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ) نے سرورِ دو عالم ﷺ کے مغازی قلم بند کیے تھے۔ اور خلیفہ منصور عباسی کے لیے محمد بن اسحاق (المتوفی ۱۵۱ھ) نے سیرتِ نبویہ پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ اس کے بعد تو تاریخی کتابوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جن میں ابو مخنف اور واقدی نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ مشاجراتِ صحابہ اور واقعہ کربلا کی نوے فیصد روایات کے اصل راوی حضرت واقدی اور جناب ابو مخنف نوط بن یحییٰ کوئی ہیں۔

حضرت واقدی کے بارے میں صاحبِ اشرف السیر مفتی شریف الحق اعظمی ارشاد فرماتے ہیں 'امام واقدی کا ثقہ، عادل، مستند ہونا ہی صحیح و مرجح ہے ان کی مرویات دربارہ احکام بھی مقبول ہیں اور سیر و مغازی کے وہ بالاتفاق امام مستند بھی ہیں۔'

(اشرف السیر حصہ اول ص ۲۷)

اس دعوے کے ثبوت میں مفتی صاحب میزان الاعتدال کی ایک چھوٹی سی عبارت نقل فرماتے ہیں:

وكان ألي حفظه المنتهى في اخبار
والسير والمغازي والحوادث
واما صاحب الناس وغير ذلك

امام واقدي کے ہی حفظ تک اخبار مغازی،
حوادث و واقعات وغیرہ میں منتہی ہے۔

کیا میزان کی مذکورہ بالا عبارت سے حضرت واقدی کا ثقہ عادل اور امام مستند بالاتفاق ہونا ثابت ہوتا ہے؟ عبارت میزان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تاریخ و سیر کا دفتر، مغازی اور حوادث کی روایتوں کا انبار حضرت واقدی کی ذہانت کا مرہون منت ہے اگر واقدی کو نظر انداز کر دیا جائے تو تاریخ و سیر کا بحر ذخار، ماء قلیل بن کے رہ جائے گا۔

اشرف السیر کے مصنف ایک دوسرے مقام پر یعنی کا حوالہ دیتے ہوئے یہ نتیجہ

نکالتے ہیں:

’امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشائخ میں سے ہونا ہی امام واقدی کی جلالت شان کے لیے کافی ہے۔ اس سونے پر سہاگہ یہ کہ عبد اللہ ابن مبارک جو امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں اور اُن کے ہم پلہ دوسرے ائمہ نے اُن کی تعریف کی ہے۔‘ (اشرف السیر حصہ اول ۲۳)

اس مقام پر دل و دماغ کو مرعوب کرنے کے لیے حضرت واقدی کے لیے کچھ جذباتی الفاظ اور ان کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے بعض بھاری بھر کم مقتدا یا ان عالم کے اسمائے گرامی استعمال کیے گئے ہیں۔ حضرت واقدی کا امام شافعی کے استاد و شیخ ہونے کی بنیاد پر ہی صاحب جلالت شان ہونا، نیز امام بخاری کے شیخ حضرت امام عبد اللہ ابن مبارک کا مدوح ہونا، بجائے خود محل نظر ہے۔

شیخ الاسلام حضرت ابن حجر علیہ الرحمہ تہذیب التہذیب میں تحریر فرماتے ہیں:

قال البخاری الواقدي متروك الحديث تركه احمد و ابن مبارك و ابن نمير و اسمعيل بن زكريا و قال في موضع آخر كذبه احمد و قال معاوية بن صالح قال احمد بن حنبل الواقدي كذب و قال النسائي في الضعفاء الكذابون المعروفون بالكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم اربعة الواقدي بالمدينة قال ابن المديني عنده عشرون الف حديث يعني ماكون الاصله و قال بNDAR مارأيت اكذب منه قال ابو زرعة الرازي و ابوبشير الدولابي والعقيلي متروك الحديث عن ابي حاتم از قال كان يصنع

(تہذیب ج ۹ ص ۳۶۳ تا ۳۶۷)

حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اپنی معرکتہ الآرا جرح و تعدیل کی کتاب 'میزان الاعتدال' میں لکھتے ہیں:

'امام احمد نے فرمایا ہو کذاب یقلب الاحادیث (واقدي کذاب ہیں - حدیثوں میں الٹ پھیر کرتے ہیں)۔'

امام بخاری نے فرمایا واقدي متروك الحديث ہیں۔ امام احمد بن مبارک، ابن نمير اور اسمعيل بن زكريا نے اُن کو ترک کیا ہے دوسرے مقام پر احمد نے واقدي کو کاذب کہا ہے۔ معاوية بن صالح نے کہا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ واقدي کذاب ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ واقدي کی کتابیں سراپا جھوٹ ہیں۔ امام نسائی نے فرمایا کہ حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے والے چار مشہور و معروف ہیں جن میں ایک واقدي ہیں ابن مديني نے فرمایا کہ واقدي کے پاس بیس ہزار احادیث ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ابو زرعة رازی، ابوالبشير وولابی اور عقيلي نے فرمایا کہ واقدي متروك الحديث ہیں ابو حاتم نے فرمایا کہ واقدي روایتیں گڑھتے ہیں۔

ابن معین کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں اور بعض دفعہ فرمایا کہ اُن کی حدیث نہ لکھی جائے امام بخاری اور ابو حاتم نے فرمایا کہ اُن کی حدیث نہ لکھی جائے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے فرمایا کہ واقدی متروک الحدیث ہیں۔

دارقطنی نے فرمایا فیہ ضعف (واقدی ضعیف ہیں)۔

ابن عدی کا قول ہے اُن کی حدیث محفوظ نہیں۔ ابن ندی فرماتے ہیں لا ارضاه فی الحدیث ولا فی الانساب ولا فی شیعئ 'واقدی کو میں حدیث و انساب بلکہ کسی چیز میں بھی پسند نہیں کرتا' (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۱۱۱۱۰)

علامہ ابن جریر طبری کے ایک قول سے حضرت واقدی کی ذہنی ساخت اور میلان رجحان واضح ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ واقدی کو حاطب اللیل سمجھا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں:

اور واقدی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب مصریوں کی روانگی کے اسباب و وجوہ بتانے میں بہت سی باتیں ذکر کی ہیں۔ جن میں بعض کو میں نقل کر چکا ہوں اور بعض کے ذکر سے قصد اعراض کیا۔ کیونکہ کراہۃ ذکرہ بشاعۃ بسبب کراہت اُس کے ذکر کرنے سے مجھے گھن آتی ہے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۹۱)

گویا حضرت واقدی کی بعض مرویات ایسی بھی ہیں جن کے پڑھنے سے گھن آتی ہے اور علامہ ابن جریر جیسا 'جمع روایات' کا شوقین بھی نقل کرنے سے گھبراتا ہے یہ مداح واقدی کے لیے مقام عبرت ہے۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری، امام احمد، ابن نمیر، اسمعیل بن زکریا، معاویہ بن صالح، امام شافعی، امام نسائی، ابن مدنی، نبدار، ابوزر عہ رازی، دولابی، عقیلی، ابو حاتم، دارقطنی، اور ابن عدی جیسے علماء روزگار اور محبوبان پروردگار کے نزدیک مصنف اشرف السیر کے مدوح حضرت واقدی، ناقابل اعتبار، مذاب، متروک، ضعیف، غیر ثقہ اور ناپسندیدہ ہیں۔

مصنف اشرف السیر کی تسکین کے لیے میں نے اتنی تفصیل سے کام لیا۔ غور فرمائیے کہ جس واقدی کے بارے میں حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام بخاری اور حضرت امام عبد اللہ ابن مبارک کی بالترتیب رائے یہ ہے:

قال الشافعی کتب الواقدی کذب قال

احمد بن حنبل الواقدی کذاب قال

البخاری الواقدی متروک الحدیث اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ترکہ احمد و ابن مبارک

ان واضح اشارات کی روشنی میں فاضل مصنف کے اس حسن ظن کا کوئی علمی پایہ نہیں کہ واقدی، امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں۔ حضرت واقدی کی اس مخدوش پوزیشن سے متاثر ہو کر فاضل مصنف ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

’ان پر (یعنی واقدی پر) بعض علماء نے سخت سے سخت جرحیں کی ہیں جیسا کہ میزان اور تہذیب میں موجود ہے اور آج کل تو اس کو اجماعی مسئلہ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔‘ (اشرف السیر حصہ اول ص ۲۲)

واقدی کو کذاب اور متروک کہنے والوں میں حضرت امام احمد بن حنبل جیسے مجتہد فی المذہب اور امام بخاری جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ ایسی بے مثال اور لا جواب شخصیتوں کی طرف ’بعض علماء‘ لکھ کر اشارہ کرنا، دیانت تحقیق کے خلاف ہے ’بعض علماء‘ سے بہتر تو یہ تھا کہ بعض اکابر لکھا جائے۔ حالانکہ ’بعض‘ کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ ’اکثر‘ کا یہی خیال ہے جیسا کہ تہذیب اور میزان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے چند اقوال واقدی کے ثقہ ہونے کے بارے میں ضرور نقل فرمایا ہے۔ لیکن آخر میں نہایت واضح الفاظ میں یہی فیصلہ کیا ہے۔

واستقرا الاجماع علی وهن والقدي وضعف پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

گویا ’وهن الواقدی‘ پر اتفاق علماء فی الواقع علامہ ذہبی کے ہی عہد میں یا اس سے

پہلے ہی ہو چکا تھا جب ہی تو علامہ ذہبی استقرار اجماع کا ذکر اپنی کتاب میں کرتے ہیں۔ اس لیے فاضل مصنف کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ آج کل تو اس کو اجماعی مسئلہ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

جو شعور تحقیق رکھتا ہے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر یہی فیصلہ کرے گا کہ واقدی بے کے نزدیک ثقہ ضرور ہیں مگر اکثر مجتہدین و محدثین کی نظر میں کذاب، متروک اور ناقابل اعتماد ہیں۔

جناب واقدی کے اسی مشق ستم نے تاریخی کتابوں کو ایسی طوالت بخشی جس نے صداقت کو بے پناہ مجروح کیا اور آج تاریخ کا پورا دفتر مخدوش مشکوک اور محتاج نقد و نظر ہو گیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مورخین نے بھی نقل و نقل کو ایسا محبوب مشغلہ بنالیا جس نے تاریخ کے بارے میں غیر معمولی بے اعتمادی پیدا کر دی۔ مثلاً امام ابن کثیر نے بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ خود صحیح نہیں سمجھتے تھے صرف اس لیے نقل فرماتے ہیں کہ اسے علامہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ وہ اپنے طرز عمل کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ولولا ابن جریر وغیرہ من الحفاظ اور اگر ابن جریر وغیرہ جو حفاظ اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

اس نقل و نقل کے جذبہ کم ہمتی کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تاریخ صحیح اور سقیم اور رطب و یابس کا مجموعہ بن گئی۔ اسی لیے ہم ایسی تمام کتابوں کو 'اسلامی تاریخ' تسلیم نہیں کرتے اور حق بھی یہی ہے، کہ طبری ہو یا طبقات ابن سعد۔ البدایہ والنہایہ ہو یا تاریخ ابن خلدون یہ سب اسلامی تاریخ نہیں بلکہ مادہ تاریخ ہیں۔

تحقیق و ریسرچ اور غیر معمولی جدوجہد کے ذریعہ ہم انہیں رطب و یابس اور صحیح و سقیم روایتوں سے صحیح اور قابل قبول روایات کو علیحدہ کر کے ایک اسلامی تاریخ پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن بغیر تحقیق و ریسرچ انہیں کتابوں کو تاریخ اسلام باور کرنا اہل اسلام پر ظلم کرنا ہے۔

لہذا اسلاف کی تاریخ پیش کرنے کے لیے لامحالہ ہمیں تاریخ کی تنقیح کرنی پڑے گی۔ جمع روایات کے شوق کو نظر انداز کر کے حقائق کو نہایت دقیق النظری اور خلوص دلہی سے پیش کرنا ہوگا۔ ہم اسلاف کے بارے میں کسی ایسی روایت کو جس میں کوئی کمزوری بیان کی گئی ہو۔ آنکھ بند کر کے قبول نہ کریں گے بلکہ راوی کو پرکھیں گے کہ کہیں وہ غلط گو اور کذاب تو نہیں ہے۔ تدوین تاریخ کا شعور خود ہمیں قرآن حکیم عطا کرتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحجرات / ۶)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بیجا نہ ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

اسی لیے راقم الحروف نے اس کتاب کی تالیف کے وقت قرآن و حدیث مسلک صحابہ اور فقہ اسلامی کو پیش نظر رکھا تا کہ نتائج غیر اسلامی اور غیر تحقیقی برآمد نہ ہونے پائیں۔

یہ کتاب آپ کو بالتفصیل بتائے گی کہ امیر المومنین کون تھے اور انہوں نے ہمیں کیا

سید محمد ہاشمی اشرفی

درس دیا ہے؟

وَمِنْ لَدُنْكَ لَطْفٌ تُرْمِي مَعَادِيَهُ
فَذَاكَ كَرِيبٌ مِنْ كَلَامِ الْهَادِي

حضرت امیر مومنان علیؑ کی یہ نظمیں اگر نیا لادونہ کا کشتیا ہے

فتح مکہ

فتح مکہ یا اُس کے بعد ایمان لانا کوئی بد قسمتی کی بات نہیں بلکہ یہ صرف خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہوا جس کے نتیجے میں وہ ان نفوسِ قدسیہ میں شمار ہونے لگے جو افضل امت ہیں اور جماعتِ صحابہ کے نام سے قیامت تک منفرد رہیں گے۔

کوئی چاہے ہجرت سے پہلے ایمان لایا ہو یا ہجرت کے بعد، خواہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا ہو یا فتح مکہ کے بعد..... سبھی گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے کیونکہ اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اشارِ بانی ہے :

﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (الانفال/ ۳۸)
 کفر سے باز آ جائیں گے تو اُن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اسی لیے عند الفقہاء یہ بات متفق علیہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔ التائب من الذنب کما لا ذنب لہ۔

کسی شخص سے محض اس بنیاد پر کہ وہ ہاشمی یا اموی ہے نفرت کرنا اہل حق کا شیوہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ تو خوارج اور روافض کا اندازِ فکر ہے جس طرح خاندانِ بنی ہاشم میں ابولہب جیسے گرم اور ابوطالب جیسے نرم کافروں کا وجود رہا ہے ویسے ہی گرم و نرم خاندانِ بنی امیہ میں بھی دیکھے گئے۔

جن امویوں نے قاسمِ نعمت ﷺ کی کالی کملی میں پناہ لے لی ہے اور جنگی خداداد قائدانہ صلاحیتوں سے اسلام ایک سدا بہار گلشن بنایا ہے اُن کو تنقید کی سان پر رکھنا انتخابِ نبوی کو چیلنج کرنا ہے۔

گیارہ اُموی اصحاب :-

- ۱- حضرت عثمان ابن عفان اُموی
- ۲- حضرت خالد بن سعید "
- ۳- حضرت سعید بن سعید "
- ۴- حضرت عمرو بن سعید "
- ۵- حضرت ابان بن سعید "
- ۶- حضرت عبداللہ بن سعید "
- ۷- حضرت عثمان بن سعید "
- ۸- حضرت ابوسفیان بن حرب "
- ۹- حضرت معاویہ بن ابی سفیان "
- ۱۰- حضرت یزید بن ابی سفیان "
- ۱۱- حضرت قتاب بن اسیر "

کہاں ہیں وہ لوگ جو اُمویوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ لائیں ایک ہی خاندان کے ایسے گیارہ آدمیوں کی فہرست جنہیں نگاہ رسالت نے چُن کر منصب کتابت وحی اور منصب امارت و سیادت عطا کیا ہو۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ :-

آپ قریش ہی کی ایک شاخ 'بنو اُمیہ' کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ ابو جہل کے مرنے کے بعد کفارِ قریش نے آپ کو اپنا سردار بالاتفاق منتخب کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام قریش کے نزدیک آپ کی قائدانہ صلاحیتیں مسلم تھیں۔

امام حجر بن عسقلانی نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ کو جب کفارِ قریش تکلیف و اذیت پہنچاتے تو آپ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں بسا اوقات پناہ لیا کرتے تھے۔ (الاصارہ ج ۳ ص ۱۷۹)

مظالم کفار سے جنگ آ کر محمد عربی ﷺ جس گھر میں پناہ لیتے تھے فتح مکہ کے دن محسن اعظم نے اُسی گھر کو دُنیا ئے اسلام کے لیے دارالامان قرار دے دیا اور ارشاد فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فهو آمن جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے مذکورہ بالا تاریخی شہادت اور نبوی ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور پیغمبر اسلام کے درمیان عہد جاہلیت میں محض نظری اختلاف تھا ورنہ برادرانہ تعلقات استوار تھے جو ایمان لاتے ہی نیازمندانہ صورت میں بدل جاتے ہیں۔ جب غلط فہمیوں کے ایک ایک پردے ذہن باطل سے اُٹھ گئے تو تیر نبوت ﷺ کی دلکش کرنیں براہ راست سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ کو منور و مجلی کرنے لگیں تو انھوں نے قدم ناز رسول پر جہین عقیدت و محبت جھکا کر یہ سند حاصل کی۔

من دخل دار ابی سفیان فهو آمن۔

جو رہتی دُنیا تک اُن کی جلالت شان اور طہارت قلب و لسان پر شاہد عدل رہے گی۔ مشہور و معروف تابعی سعید ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے روز جب کہ مجاہدین اسلام رومیوں سے نہر آزماتھے۔ میدان جنگ میں ایک بُو کا عالم طاری تھا۔ شدت جنگ کی وجہ سے سب کے سب چپ تھے لیکن اُس وقت ایک آدمی ایسا تھا جو بآواز بلند کہہ رہا تھا:

یا نصر اللہ اقترب یا نصر اللہ اقترب۔ اے مدد الہی جلد آ۔ اے مدد الہی جلد آ۔ میں نے اپنا سر اٹھا کر جو دیکھا تو وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزند ارجمند زید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے جھنڈے تلے رومیوں کو فی الزار و السقر کر رہے تھے۔ ۱۔ اسی جنگ یرموک میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری آنکھ بھی شہید ہو گئی۔ ۲۔ اور پہلی آنکھ طائف کے محاصرہ میں کام آئی ۳۔ اس طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جنگ یرموک کے بعد ظاہری بینائی سے کلیتہً محروم ہو گئے۔

اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں بندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو یہ پکارتی تھیں
 عضرو الغطفان بسیوفکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن جو یہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر وہ گھر ہے جس پر بہتوں کو رشک ہے۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ خود صحابی، اُن کی زوجہ محترمہ حضرت ہند صحابیہ، اُن کے دو لڑکے حضرت یزید رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں اور آخری خلیفۃ المسلمین بھی۔ اُن کی ایک صاحبزادی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا صحابیہ اور دوسری صاحبزادی حضرت ام حبیبہ زوجہ رسول اور سارے مومنین کی ماں ہیں۔

کیا اب بھی 'بیت ابی سفیان' کے 'بیت النور' ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہے؟ اب بھی اگر کوئی ان نفوس قدسیہ کے طہارت نفسی پر شبہ کرتا ہے تو بیشک وہ کور بخت اور ایمانی بصیرت سے یک قلم محروم ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ :-

اردو ادب کے ایک کامیاب انشاء پرداز اور پاکستان کے مشہور ماہنامے کے مدیر نے خواہ مخواہ تاریخ کی بغیر زمین پر ختم ریزی کرنے کی کوشش کی اور بلاوجہ سبائیوں کے چبائے ہوئے لقموں کو دوبارہ زینت دسترخوان بنانے کی سعی ناکام فرمائی چنانچہ ایک مقام پر اپنی دقیق النظری کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔

'حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلاف جو شورش برپا کی گئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ

کسی سبب کے بغیر محض سبائیوں کی سازش کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی یا محض اہل عراق کی شورش پسندی کا نتیجہ تھی۔ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں۔ اگر لوگوں میں ناراضی فی الواقع موجود نہ ہوتی تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو اس کے اندر شامل کر لینے میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا..... عام لوگوں کا ہی بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضی پائی جاتی ہے۔ ۱۔

دورِ فتنہ..... کی تاریخ کے معاملے میں ہم کسی تاریخی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیں اس کا جواب مدیر موصوف (ابوالاعلیٰ مودودی) ہی سے سینے:

’ابن جریر طبری ہیں‘ جن کی جلالتِ قدر بحیثیت مفسر، محدثِ فقیہ اور مؤرخِ مسلم ہے علم اور تقویٰ دونوں کے لحاظ سے اُن کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔ ۲۔
چند سطر بعد:

تاریخ میں کون ہے جس نے اُن پر اعتماد نہیں کیا ہے خصوصیت کے ساتھ دورِ فتنہ کی تاریخ کے معاملہ میں تو محققین انھیں کی آراء پر زیادہ تر بھروسہ کرتے ہیں۔ ابنِ کثیر بھی اس دور کی تاریخ میں انھیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۳۔

اس ارشاد کی روشنی میں ہم سب کو چاہئے کہ محققین کی طرح ہم بھی دورِ فتنہ کی تاریخ کے معاملہ میں ابنِ جریر کی طرف رجوع کریں اب آپ ملاحظہ فرمائیں ابنِ جریر طبری کی آراء تاکہ بخوبی اندازہ لگاسکیں کہ تاریخ کے صحیح مطالعہ سے مدیر موصوف (ابوالاعلیٰ مودودی) محروم ہیں یا ہم؟

وَمِنْ بَيْنِ لَطْعِيْنِي تَرْجُوْهُ
فَذَاكَ كَلْبٌ مِّنْ كَلَابِ الْهَادِيْنَ

حضرت امیر مومنان علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ کلب (کڑوا) ہے جو کہ لڑنے والوں کا گھبراہٹ کا ہے

تحریک مفسدین :-

عبداللہ ابن سبا صناعا کا ایک یہودی تھا۔ عہد عثمانی میں ردائے منافقت اوڑھ کر اسلام لایا۔ پھر شہر شہر گھوم کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے لگا.....

وہ کہتا تھا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے خلافت بغیر حق حاصل کیا ہے۔ علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں تم متحد ہو کر اقدام کرو اور عثمان کو اس منصب سے ہٹا دو اور طریقہ کار یہ ہو کہ عمال عثمانی کی جا بجا برائی کرو۔ (والاؤ ابالطعن علی امرائکم) اوامر و نواہی کے پردے میں اپنی طرف مائل کرو اس کے بعد اس نے مختلف صوبہ جات میں اپنے ایجنٹ پھیلا دیئے۔ (وجعلوا یکتبون الی الامصار بکتاب یصعونها فی عیوب ولاتہم)۔ یعنی دوسرے شہروں کے لوگوں کو ایسے بناوٹی مکتوبات بھیجو جو عمال عثمانی کے عیوب پر مشتمل ہوں..... اس طرح ہر شہر کے سبائی دوسرے شہر کو اس قسم کے اور دروغ بیانیوں پر مشتمل خطوط لکھے۔ (واوسعوا الارض اذاعة)۔ یعنی وسیع پیمانے پر سارے ملک میں پرو پگنڈا کے شکار ہو کر لوگ یہ کہنے لگے کہ خدا کا شکر ہے کہ مصیبت دوسرے صوبے میں ہے ہم تو محفوظ ہیں (فیقول اهل کل مصرانا لفی عافیة مما ابتعی بہ هولاء) مگر اہل مدینہ کے پاس ہر چہار طرف سے شکایتی خطوط آرہے تھے۔ (فقالوا انا لفی عافیة مما فیہ الناس) یعنی اہل مدینہ کہتے تھے کہ ساری دنیا جن مصائب سے دوچار ہے ہم ان سے عافیت میں ہیں۔ ۱۔

واقعات کی اس تفصیل کو علامہ ابن کثیر کی تالیف البداء والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۷،

۱۶۸ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری مزید فرماتے ہیں:

’جب ہر صوبے کے عاملوں کے خلاف کذب و افتراء سے مملو خطوط مدینہ منورہ آنے لگے تو اہل مدینہ بارگاہ عثمانی میں حاضر ہو کر دریافت کرتے ہیں کہ یہ خبریں آپ تک بھی پہنچ رہی ہیں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: لا واللہ جاء فی الا السلا مہ نہ۔ خدا کی قسم! سوائے سلامتی کے میرے پاس کوئی بات نہیں آئی۔‘

پھر اہل مدینہ نے حضرت کو سارے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ طلب کیا اور طے پایا کہ معتمد علیہ اشخاص کو صحیح حالات کی تحقیق و تفتیش کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ کو کوفہ، حضرت اسامہ بن زید کو بصرہ، حضرت عمار بن یاسر کو مصر اور حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کو شام بھیجا۔ لوٹ کر جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ ہے: ایہا الناس ما انکرنا شیئاً ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامہم ’ہم نے کوئی ناروا بات نہیں دیکھی نہ ہی کسی گورنر پر اکابر مسلمین کو کوئی اعتراض ہے۔ اور نہ ہی عامۃ المسلمین کو‘۔ ۱۔

طبری کی ہی روایت ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سارے گورنروں کو جمع کیا اور فرمایا ’یہ شکایات کیسی ہیں؟‘ یہ سب انواہیں یا ان کے پیچھے کچھ حقیقت بھی ہے۔ تو انھوں نے جواباً عرض کیا۔

’الم تبعث الم ترجع الیک الخیر عن القوم الم یرجعوا ولم یشافہم احد بشیئ (کیا آپ نے آدمی نہیں بھیجے تھے۔ کیا آپ کو انھوں نے خبر نہیں دی کیا وہ تحقیقات کرنے والے اس حال میں واپس نہیں آئے کہ انھیں کوئی شخص مملکت میں شکایت کرنے والا نہیں ملا)۔‘

خدا کی قسم ! معترض جھوٹے اور شرافت سے دُور ہیں۔ ہم کو ہرگز اس قسم کی باتوں کا علم نہیں۔ اگر آپ کسی کو پکڑ کر پوچھیں تو وہ کوئی بات بھی آپ کے سامنے نہ پیش کر سکے گا۔

وما صی الا اذاعة لا یحل الاخذ بها ولا الانتہاء الیہا

’یہ تو زرا پروگنڈا ہے اس کا نوٹس لینا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی انتہا ہے‘۔

بعض لوگوں کا ان ’یارانِ رسول‘ کو بھی انھیں مفسدین کی قطار میں کھڑا دکھانا۔

انتہائی غیر اسلامی جرأت ہے اُن لوگوں نے جن زوردار الفاظ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ بھی اس سورش کی لپیٹ میں آ گئے تھے اُن ہی لوگوں کے معتمد خاص علامہ ابن کثیر انھیں زوردار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں۔

یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضرت عثمان کو باغیوں کے حوالے کر دیا اور قتل سے راضی تھے صحیح نہیں۔ کسی صحابی سے رضائے قتل ثابت نہیں بخلاف اس کے جملہ صحابہ نے آپ کے قتل کو بُرا جانا، ناراض ہوئے اور قاتلین کو بُرا بھلا کہا۔

واما ما یذکرہ بعض الناس ان بعض الصحابة اسلمہ ورضی بقتله فهذا لا یصح عن احد من الصحابة انه رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل کلہم کرہ ومقتہ وسب من فعلہ۔
(فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۲)

ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

بیشک کوئی نہ تو آپ کا مخالف رہا نہ ہی فریضہ اطاعت سے دست کش رہا۔

ان احد امن الصحابة لم یسع علیہ ولا قعد علیہ ولا قعد عنہ۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لو احببت قتله لقتلت۔ اگر میں نے اُن کے قتل کو پسند کیا تو میں بھی قتل کی جاؤں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

’مردودوں اور جاہلوں نے یہاں تک کہا کہ کبار صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف آواز اٹھانے والے اور تحریک چلانے والے تھے اور آپ کے خلاف جو کچھ ہوا اس سے راضی تھے۔ ان جاہلوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑی چیخ و پکار کی اور گڑگڑا کر امداد کے طالب ہوئے

(وذلك كله مصنوع ليوغروا قلوب المسلمين عن السلف الصالحين والخلفاء الراشدين) یعنی سب من گھڑت باتیں ہیں تاکہ مسلمانوں کے قلوب کو سلف صالحین اور خلفائے راشدین کے خلاف برا بیختہ کریں۔ ۱۔

ابن تیمیہ کا ارشاد ہے:

انما قتله طائفة من المفسدين في
الارض من اوباش القبائل واهل
الفتن۔ ۲۔

اب سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا قول ملاحظہ ہو جس سے لوگ عبرت حاصل کریں اور اگر ہو سکے تو اپنے دین اسلام کا جائزہ لیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انکم وما تعیدون بہ عثمان کالطاعن
نفسه لیقتل ردفہ۔

(طبری ج ۳ ص ۳۳۰) ہوئے کو قتل کرے اور خود کو زخمی کرے۔

مزید فرماتے ہیں

وما ذنب عثمان فيما صنع عن امرنا جو کام عثمان نے ہمارے مشورہ سے کیا اس میں اُن کا کیا گناہ ہے۔

اس عبارت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ تدبیر عثمانی کو اس وقت تک مجروح نہیں کیا جاسکتا جب تک تدبیر علوی کو زخمی نہ کیا جائے۔

حضرت عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تقابلی مطالعہ کا شوق لوگوں کو ممکن ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی اس بے تکی اور لالچینی بات سے پیدا ہوا ہو:

’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہوں بلکہ وجاہت قرب کے لحاظ سے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں‘۔

(مراط مستقیم مولفہ اسماعیل دہلوی ص ۶۷ راشد کمپنی دیوبند)

شاہ اسماعیل دہلوی کا یہ فرمانا کہ ’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مرتبہ اور قرب کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم نہیں بلکہ تقدیم خلافت نے مقدم کیا ہے۔ ایک غیر علمی اور غیر تحقیقی دعویٰ ہے۔ خلفائے اربعہ کی ’ترتیب فضیلت‘ فی الواقع ’ترتیب خلافت‘ کی بنیاد پر ہے ہی نہیں بلکہ خلافت ہی ’ترتیب فضیلت‘ کے مطابق ہوگئی۔

چنانچہ صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اپنی لا جواب فقہی کتاب (بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۷۲) پر فرماتے ہیں:

’اُن کی (یعنی خلفائے اربعہ کی) خلافت برتیب فضیلت ہے یعنی جو عند اللہ افضل و اعلیٰ و اکرم تھا وہی خلافت پاتا گیا۔ نہ کہ افضلیت بر ترتیب خلافت‘۔

عہد جدید کے ایک مورخ کا کہنا ہے:

’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ اُن کی شہادت مقدر ہو چکی ہے۔ آپ نے متعدد مرتبہ اُن کو اس سانحہ سے باخبر کیا تھا۔ اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزے سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہیں اور اُن سے کہہ رہے ہیں کہ ’عثمان جلدی کرو تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں‘ بیدار ہوئے تو حاضرین سے خواب کا تذکرہ فرمایا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا۔ باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انھوں نے کہا ’امیر المومنین ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ ’عثمان آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا‘ پھر پائے جامہ جس کو کبھی نہیں پہنا تھا منگا کر پہنا۔ اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے‘۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت کی پوری تیاری کر لی۔ اب صرف شہادت کا انتظار تھا۔ شدید انتظار۔ بلکہ خود سراپا انتظار ہو گئے تھے کیونکہ دیدار حبیب پر حیات ظاہری کا ایک دبیز پردہ تھا جو بدست شہادت اٹھنے والا تھا۔

چنانچہ گھر کا دروازہ کھول دیا اور آنے والی شہادت کے لیے چشم براہ ہو گئے۔

انہ فتح الباب ووضع المصحف
بین یدیه وذال انہ رأئ من اللیل

آپ نے دروازہ کھول دیا اور قرآن سامنے رکھا اس لئے کہ آپ رات کو خواب دیکھا

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آج
 یقول افطر عندنا اللیلۃ شام ہمارے ساتھ افطار کرو۔

ایک مورخ رقم طراز ہیں :

باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو دروازے پر متعین تھے
 مدافعت میں زخمی ہوئے۔ چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے سیدنا
 ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے 'محمد بن ابوبکر' تھے جس کے نہ ملنے پر سیدنا
 عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دشمن بن گئے تھے۔ سوں نے آگے بڑھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ
 کی ریش مبارک پکڑی اور زور سے کھینچی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'بھتیجے! اگر
 تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا۔'

یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرمناک پیچھے ہٹ گئے اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے
 بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے اس وقت
 بھی زبان پر 'بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ' نکلا سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب
 لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا ایک اور سنگدل 'عمرو بن الحکم' سینہ پر چڑھ بیٹھا اور
 جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو (۹) زخم لگائے۔ کسی شقی نے بڑھ کر تلواریں کا
 وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے جو پاس بیٹھی تھیں ہاتھ پر روکا۔ تین
 انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں اس وار نے حضرت ذوالنورین کی شمع حیات بجھا دی۔

اس بیکسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی و سماوی نے خون ناحق پر
 آنسو بہائے۔ کارکنان قضا و قدر نے کہا۔

’جو خوں آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔‘

شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا اس خون ناحق نے جس آیت کو خوں ناب کیا وہ یہ ہے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ اللہ تم کو کافی ہے اور وہ سننے والے والا ہے۔ (البقرہ/۱۳۷)

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اور جب خون بہنے لگا تو فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔

آہ! امیر المومنین جو آغاز اسلام سے آنحضرت ﷺ کے رفیق تھے جنھوں نے اس زمانے میں اسلام کا کلمہ پڑھا تھا جب اُن کا تمام خاندان کفر پر نہایت شدت سے قائم تھا۔ جو اسلام کی دو مقدس ہجرتوں میں شریک ہوئے جو اپنی مرجعت عامہ کی وجہ سے صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے سفیر بن کر گئے تھے۔ جو آنحضرت ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے نہایت مخلص اور وفادار دوست تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کی دامادی کے شرف سے مشرف تھے۔ جو صحابہ کے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے افضل تھے۔ جن کو آنحضرت ﷺ نے تین بار جنتی ہونے کی بشارت دی تھی جنھوں نے ہر رومہ کھدوایا اور غزوہ عسرت کا سامان کیا تھا۔ جو قرآن مجید کے ناشر تھے۔ جنھوں نے بہت سے سرحدی ممالک کفار کے قبضے سے نکال کر خلافت اسلامیہ میں داخل کیئے تھے۔ وہ رحمت مجسم وہ خیر سراپا۔ وہ اسوۂ حسن،

وہ امام برحق و سردار کل، آج باغیوں کی شمشیر آب دار کے نذر ہوتا ہے۔ ایسی شمشیر جو خدا کے احکام سے باغی ہو کر مصحف ناطق کا خون مصحفِ ساکت کے اوراق پر گراتی ہے۔

امام مظلوم نے ایسے مصائب برداشت کیئے جو اگر پہاڑ پر ڈالے جاتے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ لیکن امام نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس ابتلا سے گزر گئے اور آخر شہید ہونے کا شرف حاصل فرمایا۔ امام شہید ہو گئے اور حدیث نبوی نے جنت کی بشارت دے کر اُن کی بے گناہی اور مظلومیت کا اعلان فرمایا۔

آج اسی امام مظلوم کے بارے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی 'خلافت و ملوکیت' میں انشا پر دازی کے نشہ میں چور ہو کر اعتراضات و الزامات کا ایک طومار کھڑا کر دیتے ہیں۔ لیکن اعتراضات و الزامات کو سپرد قلم کرنے سے پہلے وہ ایک ایسی فضا بناتے ہیں جس سے اُن کا اعتراض با وزن سمجھا جائے اور مضمون نگاہِ حقارت سے نہ دیکھا جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

'جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی، مستند ترین کتاب سے ماخوذ ہے۔ جتنے واقعات میں نے نقل کیے اُن کے پورے پورے حوالے درج کر دیئے ہیں اور کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ بیان نہیں کی ہے۔ اصحاب علم خود اصل کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ لے سب وہاں موجود ہے یا نہیں اور میں نے اس میں کوئی کمی بیشی تو نہیں کی ہے۔'

یہ مودودی صاحب کی انتہائی سادگی ہے جو کہ ہر اس روایت کو وہ صحیح سمجھتے ہیں جو کسی تاریخی کتاب میں ہو۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک 'تحقیق' محض نقل عبارت کا نام ہے۔

محترم! یہ شرف تو حدیث کو بھی حاصل نہیں کہ محض کسی کتاب میں ہونے کے سبب اُسے صحیح یا قول رسول تسلیم کیا جائے، چہ جائے کہ تاریخ۔ تاریخ کا دامن تو اتنا تنگ ہے کہ ہم کسی تاریخی کتاب کو اُس کی تمام تفصیلات کے ساتھ 'اسلامی تاریخ' واقعتاً نہیں کہہ سکتے۔ جیسا کہ پیش لفظ میں، میں واضح کر چکا ہوں۔ چونکہ مودودی صاحب نے بغیر جرح و تعدیل اور بلا نقد و نظر، فقط روایات کے نقل کر دینے پر ہلکی کیا لہذا اُن سے چند غیر معمولی لغزشیں ہوئیں، جن کی اصلاح کرنا دین کا اہم ترین تقاضہ ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں :

'بیت المال سے اپنے اقرباء کی مدد کے معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اُس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں'۔^۱
مزید فرماتے ہیں :

'یہ امام زہری کا بیان ہے۔ جن کا زمانہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے قریب ترین تھا۔ اور محمد بن سعد کا زمانہ امام زہری کے زمانہ سے بہت قریب ہے..... ابن سعد نے صرف دو واسطوں سے اُن کا قول نقل کیا ہے اگر یہ بات ابن سعد نے امام زہری کی طرف یا امام زہری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف غلط منسوب کی ہوتی تو محدثین اس پر ضرور اعتراض کرتے اس لیے اس بیان کو صحیح ہی تسلیم کرنا پڑے گا'۔^۲

کبھی تو مودودی صاحب اپنی دوسری کتابوں میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ ہم کسی حدیث کو صحیح صرف اس بنیاد پر نہ مانیں گے کہ اسے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

’محدثین پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لیے جو حدیث فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں اُن سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے۔‘
مزید فرماتے ہیں :

’ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہئے۔ یا اُن کو غلطی سے مبرا سمجھنا چاہئے‘ نہ ہم نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اُس کو آنکھ بند کر کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مان لیا جائے۔‘
پھر فرماتے ہیں :

’آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے۔ جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔‘ ۱

کہاں ’تحقیق و تنقید‘ کا یہ نایاب جذبہ اور کہاں مودودی صاحب کا یہ جذبہ تقلید کہ وہ اپنے مذکورہ بالا اصولوں سے ہٹ کر طبقات ابن سعد کی ایک روایت کو صرف اس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ ’ابن سعد نے اس روایت کو دو واسطوں سے نقل کیا ہے۔ اور اگر یہ بات غلط ہوتی تو محدثین ضرور اعتراض کرتے۔‘

موصوف سے یہ بات کون کہے کہ کبھی آپ محدثین کے اعتراضات اس لیے ٹھکرا دیتے ہیں کہ کیا ضروری ہے کہ محدثین کا ہر ارشاد صحیح اور درست ہو آخر وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں۔ اور کبھی آپ محدثین کے عدم اعتراض کو صحت روایت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ آخر یہ تضادِ فکر کیوں ہے؟

یہ ذہنی انتشار ذاتی رجحانات اور خود پسندی کی غمازی کرتا ہے۔ جب کسی محدث کی نقل کردہ روایت مزاج کے مطابق نہیں تو کہہ دیا کہ محدثین تنقید سے بالاتر نہیں اور جب کوئی ساقط الاعتبار روایت طبیعت اور خواہش کے مطابق نکلی تو یہ کہنے لگے کہ محدثین کرام کا اعتراض نہ کرنا ہی صحت روایت کی دلیل ہے۔ اس چہ ابوالعجی است

بہر حال امام زہری اور ابن سعد کا نام مودودی صاحب نے شو باکس (Show box) کے طور پر استعمال کیا ہے کیونکہ یہ بیان اُن کا ہے ہی نہیں۔ یہ افسانہ 'واقدی' کا نتیجہ فکر ہے جسے ابن سعد نے اپنی کتاب 'طبقات' میں درج کیا ہے۔ اکثر مجتہدین و محدثین کے نزدیک 'واقدی' کذاب، متروک الحدیث اور ناقابل اعتماد ہیں۔ جیسا کہ پیش لفظ میں بیان کر چکا ہوں۔ اعادہ سے کیا فائدہ۔

مودودی صاحب نے 'دو واسطوں' کا ذکر کیا ہے مگر ان واسطوں کی صراحت نہیں کی۔ صرف اس لیے کہ ان دو واسطوں میں واقدی سامنے آ جاتے ہیں۔ اور روایت کی قلعی کھل جاتی ہے۔

موصوف کا یہ فرمانا کہ محدثین نے تنقید نہیں کی ہے صحیح نہیں ہے، میں واقدی کے بارے میں محدثین کی تنقیدات پیش کر چکا ہوں۔

موصوف 'خویش پروری' کے الزام کو مزید قوت دینے کے لیے طبری یہ فقرے لکھتے ہیں:

’پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ رقم (تین سو قنطار سونا) الحکم یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم دیا۔‘

الحکم کا خاندان وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے گویا موصوف یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ سے حاصل شدہ رقم بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنے رشتہ داروں کو دے دیا۔

مگر یہ بھی حضرت ذی النورین کی کرامت ہے کہ تاریخ طبری کی اس روایت میں اصل راوی ’واقدی‘ ہیں اور واقدی کا مزید تعارف غیر واضح ہے۔

طبری کی اس روایت کے آخری الفاظ کو مولانا موصوف نے شاید اپنی ’مخصوص دعوت حق‘ کے پیش نظر نہیں بیان کیا ہے وہ جملے یہ ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے استاذ سے دریافت کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے الحکم کو وہ سونا دینے کا حکم دیا تھا یا مروان کو۔
قَالَ لَا أَذْرِي۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔

اس لَا أَذْرِي کے بعد مدیر موصوف کی پیش کردہ اس روایت کی اصحاب علم کے نزدیک کیا قیمت باقی رہ جاتی ہے اس طرز عمل اور انداز نگارش نے اس حقیقت کو منکشف کر دیا کہ مودودی صاحب محقق نہیں بلکہ مصنف ہیں۔

اسی حوصلے کی تکمیل و تسکین کے لیے تاریخ طبری سے اخذ کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ فقرے درج فرماتے ہیں۔ گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

’میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں اس وجہ سے میں نے اس خدمت کے بدلے میں جو میں اس حکومت کی کر رہا ہوں۔ اس مال سے روپیہ لیا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں مجھے ایسا کرنے کا حق ہے۔‘ (خلافت و ملکیت ص ۳۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات کن لوگوں کے سامنے کہی اس کا جواب خود مودودی صاحب سے ہی سنئے :

’مجلس میں جہاں حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۷)

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت چند علمی اور فنی بنیاد و اساس پر غلط ہے۔ اور ساقط الاعتبار ہے۔
(۱) اسی روایت میں ایک راوی اسحاق بن یحییٰ ہیں جو مجروح ہیں۔ ملاحظہ ہوا ائمہ جرح و تعدیل کی آراء:

- (۱) قطان فرماتے ہیں **شبه لا شیئ** (یعنی کچھ بھی نہیں ہے)
- (۲) ابن معین فرماتے ہیں **لا مکتب حدیثہ** (ان کی حدیث نہ لکھی جائے)
- (۳) احمد و نسائی فرماتے ہیں **متروک الحدیث** (ان کی حدیث ترک کی گئی ہے)
- (۴) بخاری فرماتے ہیں **یتکلمون فی حفظہ** (یعنی ان کے حفظ پر کلام ہے)
- (۵) ابن حبان فرماتے ہیں **یخطی ولیہم** **قد وہ خطا کرتا ہے اس سے وہم ہوتا**
ادخلناہ فی الضعفاء ہے بلاشبہ وہ ضعیفوں میں داخل ہے

مذکورہ بالا پانچ ائمہ جرح و تعدیل کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ موصوف کی تاریخ طبری سے پیش کردہ روایت کا ایک راوی تو لاشی، خاظمی، وہمی، ضعیف اور متروک الحدیث ہے، پھر ایسے راوی کو بنیاد بنا کر مدیر موصوف کا ’امام مظلوم‘ پر بہتان عظیم باندھنا، ملت کی تعمیر نہیں تخریب ہے۔

موصوف کو عظمت عثمانی کا اگر صحیح احساس ہوتا تو طبری کی اس ساقط الاعتبار روایت کو درج کرنے کی بجائے اس روایت کو نقل کرتے جو طبری ہی کے جلد ۳ صفحہ ۳۸۵ پر تمام کمال

موجود ہے اور جو ہر حیثیت سے ثقہ روایت ہے۔

وما اعطاء هم فانی ما اعطیہم من
مالی ولا استحل اموال المسلمین
بنفسی ولا لاحد من الناس۔
اور رشتہ داروں کو عطیات دینا سو جو کچھ
میں نے دیا اپنے ہی مال سے دیا مال
مسلمین کو میں نہ اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں
اور نہ ہی کسی اور کے لیے۔

روایت کے آخری فقرے یہ ہیں :

ولا یلتفت من مال اللہ بفلس فوقہ
داما تبلیغ منه ما اکل الا مالی۔
اور اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بھی نہیں اٹھاتا
اور نہ میں بیت المال سے اپنا گزارہ لیتا ہوں
میں کھانا بھی اپنے ہی مال سے کھاتا ہوں۔

تاریخ طبری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال کو
اپنے ذاتی تصرف میں لانا تو بڑی بات ہے اس سے اپنی تنخواہ تک لینا بھی پسند نہ فرماتے چہ
جائے کہ رشتہ داروں پر لائیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر کیئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرتے ہوئے
مودودی صاحب ایک ضابطہ بناتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

’جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم
ان روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ
مخواہ وہی روایت کیوں قبول کریں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں۔‘

کاش مدیر موصوف نے اس ضابطہ کا حقدار سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی قرار دیا ہوتا تو ایسی غلطی سرزد نہ ہوتی کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں
کہ تاریخ طبری میں دو طرح کی روایت ہے۔ ایک میں یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

بے پناہ غنی اور دھنی ہونے کے سبب اپنے لیے بیت المال سے ایک حصہ نہیں لیتے تھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بیت المال کا روپیہ بے تحاشہ اپنے عزیز واقارب پر لٹاتے تھے۔

یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں تو پھر اس مقام پر مدیر موصوف نے اس روایت کو ترجیح کیوں نہ دیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہے؟ اور خواہ مخواہ اس روایت کو قبول کیا جو اس کی ضد نظر آتی ہے؟

یہ بات واضح ہے کہ جو جس کا بزم خود مخلص ہوتا ہے اسی کی وکالت کرتا ہے اور ہمیں تو 'عثمان و علی' بلکہ سارے صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت ہے لہذا ہم سب کی جانب سے دفاع کرتے ہیں۔

مدیر موصوف (مودودی صاحب) نے اگر اپنی تحریر کردہ ایک اور بات کی اصلاح کر لیں تو خود پر احسان کریں گے اور وہ یہ ہے:

'فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آ سکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور یہ طلقاء جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے امت کے سرخیل ہو جائیں'۔ ۱

مزید لکھتے ہیں :

'مگر یہ پالیسی نہ حضور کی تھی اور نہ شیخین کی کہ سابقین اولین کے بجائے اب لوگوں کو آگے بڑھایا جائے اور مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی اور کارفرمائی کے مقام پر فائز ہوں'۔ ۲

ان فُقروں سے موصوف قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سابقین اولین کے ہوتے ہوئے غیر سابقین کو مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی اور کارفرمائی کے مقام پر فائز کرنا نہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی پالیسی تھی اور نہ ہی حضراتِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی۔

حالانکہ موصوف (ابوالاعلیٰ مودودی صاحب) کے ان فُقروں میں کیئے گئے دعوے کے خلاف تمام تاریخی حقائق ہیں چند مثالیں ملاحظہ۔

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے حضور انور ﷺ نے اُن کو عامل مکہ بنایا اور حضور انور ﷺ کی وفات تک آپ برابر مکہ کے عامل رہے، جمیع سابقین اولین موجود ہیں۔ دس ہزار صحابہ کرام نے حضور انور ﷺ کے ساتھ آ کر مکہ فتح کیا پھر بھی نبی کریم ﷺ نے سابقین کے ہوتے ہوئے 'عامل مکہ' اُسے بنایا جو مدیر موصوف کی بولی میں 'طلاق' ہیں۔

(۲) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو سابقین پر ترجیح دی اس طرح وفاتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک وہ عامل رہے گویا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی طلاق کو ہی آگے بڑھایا۔

(۳) عہدِ فاروقی میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ ۱۳ھ سے ۲۲ھ تک برابر عامل مکہ رہے۔ قرنِ اول کے مدبرِ اعظم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی سابقین کو نظر انداز کرتے ہوئے طلاق ہی کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

(۴) جب اہلِ یمن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بازام مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے پورے یمن کی حکومت پر حضرت بازام کو مامور فرمایا اور اپنی وفات تک برابر یمن پر رسولِ عربی ﷺ کے عامل رہے حضور ﷺ نے سابقین اولین میں سے کسی کو یہ خدمت نہ سونپی۔

وَمِنْ بَيْنِ لَطَمِيْنُ فِي تَرْجَمَةِ
فَذَاكَ كَلْبٌ مِنْ كَلَابِ الْهَافِيْنَ

حضرت امیر خسروؒ یہ شعرین کر نیوالا دونوں کا گستاخ ہے

(۵) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ وفد ثقیف کے ساتھ اسلام لائے نبی کریم ﷺ نے آپ کو طائف کا عامل بنایا اور یہ موقع سابقین میں سے کسی کو نہ دیا۔

(۶) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی سابقین اولین کی بجائے حضرت عثمان ابی العاص رضی اللہ عنہ کو عامل بنائے رکھا۔

(۷) ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف سے ہٹا کر 'عمان اور بحرین' کا گورنر بنادیا بہر حال عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو خواہ طائف کا گورنر بنایا ہو یا عمان و بحرین کا، یہ بات تو ثابت ہی ہے کہ سابقین و اولین پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غیر سابقین کو ترجیح دی۔

(۸) جب عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ طائف سے ہٹا کر عمان اور بحرین کے گورنر بنے تو طائف کے خالی جگہ پر سابقین اولین کے بجائے عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ ہی کے چھوٹے بھائی حکم ابن ابی العاص کو مامور کیا گیا۔

(۹) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب فتح مکہ سے غالباً ایک روز قبل ہی مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اُن کو محصل زکوٰۃ بنا کر طائف بھیجا اور پھر صوبہ نجران کا گورنر بنادیا۔ سابقین اولین موجود ہیں مگر گورنری کے لیے اگر نگاہ رسالت اٹھتی ہے تو طلقاء کی طرف۔ مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی اور کارفرمائی کے مقام پر اگر حضور ﷺ کسی کو فائز کرتے ہیں تو طلقاء کو۔

(۱۰) سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صلح حدیبیہ اور عمرہ قضا کے درمیان اسلام لائے حضور ﷺ نے اُن کو کاتب وحی اور کاتب فرمان نبوی بنایا۔ حضرموت میں

سفارت نبوی کی خدمت انجام دی حالانکہ اس وقت کافی تعداد میں سابقین اولین تھے۔

(۱۱) خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو ایک معرکہ الآراء فوجی دستہ کا افسر مقرر فرمایا اور اس کے لیے سابقین کو نظر انداز کیا۔

(۱۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو پہلے دمشق پھر پورے شام کا گورنر بنایا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوری حیات ظاہری میں یہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ یہ شام کے گورنر رہے۔

(۱۳) حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شام پر لشکر کشی کے وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سپاہ پر سالار اعظم بنایا گویا خلیفہ اول نے بھی سابقین کو چھوڑ کر طلقاء کو آگے بڑھایا۔

(۱۴) حضرت یزید ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اس سے پہلے عہد نبوی میں تہما کے گورنر بنائے گئے تھے۔ نگاہ نبوت تہما کی گورنری کے لیے اگر کسی کو منتخب کرتی ہے تو طلقاء کو۔ حالانکہ درجنوں بلکہ اس سے بھی زیادہ سابقین اولین موجود ہیں۔

(۱۵) جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک آتا ہے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت انشراح صدر کے ساتھ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو دمشق کا گورنر بناتے ہیں۔ حالانکہ سابقین اولین موجود ہیں۔

(۱۶) حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرق اردن پر لشکر کشی کے وقت ایک لشکر کی قیادت سپرد فرمائی اور بعض سابقین اولین کو اُن کے ماتحت کام کرنا پڑا۔

(۱۷) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن کو جزیرہ اور بلادِ مغرب کا عامل اور مبلغ بنایا۔
 سابقین اولین میں سے کسی کو اس کام پر مامور نہ کیا۔

(۱۸) عتبہ ابن ابی سفیان عہد نبوی میں کمسن، عہد صدیقی میں سپاہی اور عہد فاروقی میں ترقی
 کر کے 'قبائل کنانہ' کے زکوٰۃ کے کلکٹر مقرر ہوئے۔ حالانکہ سابقین اولین موجود ہیں۔

ان اٹھارہ مثالوں نے واضح کر دیا کہ سابقین اولین موجود ہیں پھر بھی نبی کریم ﷺ
 اور حضراتِ شیخین سرخیل امت انھیں بھی بناتے ہیں جو طلقاء ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس مقام پر تینوں ادوار کے گورنروں کا ایک اجمالی
 خاکہ پیش کر دوں تاکہ بہ آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی اور فاروقی
 میں سابقین اولین کی کثرت ہے یا غیر سابقین اولین کی۔

عہد رسالت کے گورنر :-

- | | |
|-------------------------------|-------------------------------|
| ۱- حضرت عتاب بن اُسید | ۲- حضرت خالد بن سعید بن العاص |
| ۳- حضرت عمرو بن سعید بن العاص | ۴- حضرت ابان بن سعید بن العاص |
| ۵- حضرت علاء بن الحضرمی | ۶- حضرت عثمان بن ابی العاص |
| ۷- حضرت عمرو بن حزم | ۸- حضرت عامر بن شہر |
| ۹- حضرت باذانم | ۱۰- حضرت طاہر بن ابی ہالہ |
| ۱۱- حضرت عکاشہ بن ثور | ۱۲- حضرت زیاد بن لبید |
| ۱۳- حضرت ابو موسیٰ اشعری | ۱۴- حضرت امرؤ القیس |
| ۱۵- حضرت عمرو بن الحکم | ۱۶- حضرت معاویہ بن فلاں |

عہد نبوی کے ان (۱۶) گورنروں اور حاکموں میں حضراتِ خلفاء راشدین میں سے ایک بھی
 نہیں اور حضراتِ عشرہ مبشرہ میں سے بھی کوئی نہیں۔

جب بقول 'آں موصوف' (مودودی صاحب) فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آ سکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں۔ اور یہ طلقاء جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے امت کے سرخیل ہو جائیں۔

اگر واقعی یہ فطری بات ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مبارک عہد میں ایک درجن سے زائد گورنر مقرر فرماتے ہیں مگر عشرہ مبشرہ 'جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا' پیچھے ہٹا دیئے گئے۔ اور غیر عشرہ مبشرہ امت کے سرخیل ہو گئے۔ کیوں؟

عہد صدیقی کے گورنر:-

- ۱- حضرت عتاب بن اُسید
- ۲- حضرت عثمان بن ابی العاص
- ۳- حضرت مہاجر بن ابی امیہ
- ۴- حضرت زیادہ بن لبید
- ۵- حضرت یعلیٰ بن امیہ
- ۶- حضرت عمرو بن العاص
- ۷- حضرت علاء بن الحضرمی وغیرہم

عہد فاروقی کے گورنر:-

- ۱- حضرت نافع بن عبد الحارث
- ۲- حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی
- ۳- حضرت یعلیٰ بن مہیہ
- ۴- حضرت مغیرہ بن شعبہ
- ۵- حضرت ابو موسیٰ اشعری
- ۶- حضرت عمرو بن العاص
- ۷- حضرت عمیر بن سعد
- ۸- حضرت معاویہ بن ابی سفیان
- ۹- حضرت عثمان بن ابی العاص

عہد شیخین میں بھی عہد نبوی کے عمال کی طرح حضرات عشرہ مبشرہ میں سے صرف دو حضرات امور ریاست کی انجام دہی کے لیے مامور ہوئے۔

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
باقی آٹھ جنتی حضرات کو ہمیشہ الگ تھلگ رکھا گیا۔ اور امت کے سرخیل دوسرے حضرات ہوئے۔

سابقین اولین میں سے صرف دو تین حضرات منتخب ہوئے اور غالب اکثریت 'غیر سابقین اولین' کی ہی ہے۔ اور ان غیر سابقین میں وہ طلقاء بھی ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔

ان حقائق کو ذہن کے پرامن حصے میں رکھنے والا انسان اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ :
'یہ پالیسی نہ حضور ﷺ کی تھی اور نہ شیخین کی کہ سابقین اولین کی بجائے اب لوگوں کو آگے بڑھایا جائے'۔

عہد نبوی اور عہد شیخین سے ہم نے اٹھارہ نظیریں پیش کیں۔ نیز تینوں ادوار کی فہرست عمال آپ کے سامنے رکھ دیا جس سے کہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ اور شیخین کی پالیسی یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ غیر سابقین اولین کو آگے بڑھایا جائے اور ان نوجوانوں کی سرگرمیوں سے اسلام کو قوت پہنچائی جائے اور یہی وہ بات ہے جس پر تمام تاریخی حقائق شاہد عدل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی طرف 'غلط پالیسی' کی نسبت کرنا 'کذب علی الرسول' اور یہ کتنا بڑا گناہ ہے اس سے آں موصوف (مودودی صاحب) غالباً واقف ہوں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے غیر سابقین کو برقرار رکھا یا ان کے عہد میں غیر سابقین کی غالب اکثریت تھی تو اس سے صحابہ کیونکر رنجیدہ ہو سکتے تھے۔ جب کہ حضور نبی کریم ﷺ اور شیخین کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ گویا مدیر موصوف نے ایک افسانہ نویس کی طرح پہلے ایک فضاء بنائی اور پھر سوچ سوچ کر اسباب تراشے، اور بلا خوف و خطر سپرد قلم کر دیا اور نہ ڈرے کہ قلم 'کذب علی الرسول' کا مرتکب ہو رہا ہے۔ یہ تنقید کا نتیجہ کہ تنقیص کر بیٹھے۔ العیاذ باللہ۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

‘علی’ یہ سہ حرفی لفظ اپنے اندر کتنی جامعیت، وسعت اور بلند پایگی رکھتا ہے اس کا احساس و ادراک ہی مشکل ہے اور پھر وہ ‘علی’ اسم با سمنی کیوں نہ رہے جس کی صبح و شام پر ‘سید کائنات’ کی نظر ہو ‘حسن’ جس کا قلب اور ‘حسین’ جس کا جگر ہو۔ جو مکان صحابیت کے صحن طہارت میں ہمہ وقت ‘مصرف عبادت ہو’ جو خلیفہ بن کے خلافت راشدہ میں ‘چار چاند’ لگا دے۔

اسی لیے سید الفقہاء والمحدثین حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھری بزم میں فرمایا:

یا ہولاء قد اکثرتم القول فی علی
الخلافة ان الخلافة لم تزیّن علیا بل
علی زینہا !

اے لوگو! تم نے علی اور خلافت علی کے بارے
میں گفتگو طویل کر دی۔ خلافت نے علی کو زینت
نہیں بخشی بلکہ علی نے خلافت کو زینت بخشی۔

قبولِ اسلام:- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی دس سالہ بے غبار زندگی کو مزید سکون و عافیت بخشنے کے لیے اپنے آپ کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی 'کالی کملی' میں چھپا لیتے ہیں۔ سرزمینِ عرب پر کوئی ایسا بچہ نہ تھا جو دامنِ مصطفیٰ پکڑنے میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاتا۔

ہجرت:- اہل باطل اپنی ناکامی اور احساسِ شکست کے غیر مندرجہ زخموں سے بدحواس ہو کر کاشانہِ نبوت کا محاصرہ کر لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ جب تک 'رسول اکرم' کے لیے بستر موت پر لیٹنے والا 'علی' اور 'راہِ خطر' پر چلنے والا 'ابوبکر' ہے وہ بال بیکانہ کر سکیں گے۔

شرفِ مصاہرت:- ہجرت کے دوسرے سال نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایسی ناقابلِ فراموش لہرِ عطا فرمائی جس کے سنگم سے 'حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما)' جیسے گوہر تابدار ابھرے جنھوں نے عالمِ امکان کو جذبہِ ایمان و عمل سے بھر دیا۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ازدواجی زندگی فقیرانہ ہوتے ہوئے بھی نہ صرف دولتِ الفت سے پُر تھی بلکہ اس کی چوکھٹ پر شاہانہ معیارِ حیات، وجودِ نیاز لانا ہوا نظر آتا ہے۔ علم:- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی شرعی حکم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ معلوم ہو جائے تو کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

دیگر فضائل:- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ عشرہ مبشرہ کے ایک ممتاز فرد اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے امکانی جانشینوں میں سے تھے۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ

کی جانب سے یمن میں اشاعت اسلام کے بعد قاضی مقرر ہوئے آپ نے اس فریضے کو انتہائی عدل و انصاف اور بڑی لیاقت و ذہانت کے ساتھ انجام دیا۔

خلفائے ثلاثہ کے نورانی عہد میں بھی آپ کی بصیرت علمی نے بہت سے الجھے ہوئے احکام و قضایا کے سلجھانے میں مدد دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ ۱۔

اگر میں اس مقام پر اسلامی غزوات میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شرکت اور اُن کی بے پناہ شجاعت اور استقامت کا ذکر چھیڑ دوں تو کاغذ اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگے گا اس لیے اختصار کے پیش ہم صرف خلافت علی کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

خلافت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ :-

شہادت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ عافقی (امیر مفسدین مصر) مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ دریں اثناء آفاقوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز کیا۔ پہلے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت انکار کیا لیکن جب اکابر صحابہ نے بھی اصرار کیا تو آپ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمایا۔

خطبہ خلافت :-

بیعت خلافت کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں اطاعت اللہ و اطاعت النبی اور امر و نہی پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی، مسلمانوں کو آپس میں اخلاص و محبت اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے کی تاکید فرمائی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی وضاحت کی۔

مطالبہ قصاص:-

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جیسی عظیم المرتبت شخصیتیں تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور عرض کیا :
 'آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اور اب آپ کا پہلا کام حدود شرعیہ کا اجرا ہے۔ لہذا قاتلانِ عثمان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیجئے۔ ہم نے اسی شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔'

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'میں خونِ عثمان کو رائیگاں نہ جانے دوں گا۔ لیکن ابھی اس کا موقع نہیں ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہوئے ہیں۔ مدینہ میں انھیں کا زور ہے۔ اور امر خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوا ہے۔ آپ تامل فرمائیں جب حالات سازگار ہوں گے میں یہ فرض ضرور انجام دوں گا۔'

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب سن کر لوگوں میں مختلف خیالات کا اظہار کیا جانے لگا۔ بعض نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ قصاص سے گریز کر رہے ہیں اگر وہ اس فرض کو انجام نہ دیں گے تو ہم خود انجام دے لیں گے۔ مفسدین نے سوچا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا تو پھر ہماری خیر نہیں لہذا کوشش کی جائے کہ ایسی فضاء پیدا ہی نہ ہو۔

اعراض بیعت کے اسباب و علل:-

تاریخ کا معمولی مبتدی بھی جانتا ہے کہ اکابر انصار میں سے ایک بڑی جماعت نے بیعت نہیں کی۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت مسلمہ بن مخلد،

حضرت ابوسعید خدری، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت زید بن ثابت، حضرت رافع بن خدیج، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت کعب بن عجرہ۔ علاوہ ازیں حضرت قدامہ بن مظعون حضرت عبداللہ ابن سلام اور حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بیعت سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود گرتا اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں جب جامع دمشق میں پیش کی گئیں تو ساٹھ ہزار حامیان عثمان کی داڑھیاں جن میں اجلہ صحابہ بھی تھے آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور ساری مسجد 'انتقام' 'انتقام' کے نعروں سے گونج اٹھی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان حالات سے آگاہ کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے ایک قاصد روانہ کیا اور اُس نے بھری بزم میں کہا: 'حضرات! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص کو نیزوں پر اٹھا رکھا ہے۔ اور قسم کھالی ہے کہ جب تک قاتلین عثمان سے انتقام نہ لیں گے اُن کی تکواریں بے نیام رہیں گی۔'

اس پر خالد بن زفر عیسیٰ نے کھڑے ہو کر کہا:

'اے قاصد شام! کیا تو مہاجرین و انصار کو لشکر شام سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! قمیص عثمان، قمیص یوسف نہیں۔ نہ معاویہ کا غم، یعقوب کا غم ہے۔ اگر شام میں اُن کا ماتم کرنے والے ہیں تو عراق میں اُن کی توہین کرنے والے بھی ہیں۔'

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے طرفدار خالد بن زفر عیسیٰ کی زبان سے اس الزام کو سن کر فرمایا۔

’اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ واللہ قاتلین عثمان تو بیچ کر نکل گئے۔‘

ایک گروہ کا جس کی تعداد مصر میں کافی تھی کہنا تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے جو ہمارے ہی عزیز واقارب ہیں قصاص نہ لیا تو ہم اُن کے طرفدار ہیں۔ اس بات کی شہرت نے مخلص اصحاب رسول کے قلوب میں ہیجان برپا کر دیا۔ اور بعض اس خیال کے شکار ہو گئے کہ جب تک لشکر علی کی تطہیر نہ ہو جائے قصاص ممکن نہیں لہذا وہ بیعت سے محترز رہے۔

ادھر بصرہ سے باہر مقام مرہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کر کے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کئے اور اُن کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ پھر اُم المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود تقریر فرمائی اور حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی بے گناہی اور مفسدین کے جذبہ خوں آشامی کو واضح کیا نیز قاتلوں سے انتقام لینے کو شرعاً لازمی قرار دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تقریر کچھ ایسی موثر اور جذباتی تھی کہ لشکر مخالف کے آدھے درجن نو جوان نعرہ انتقام بلند کرتے ہوئے لشکرِ عائشہ میں شامل ہو گئے۔

اب رہا اہل مدینہ کے بعض اکابر صحابہ کا معاملہ تو انھوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اُن کے لیے یہ بات بہت سخت تھی کہ امیر المومنین، اُم المومنین سے لڑیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فَاعْطِنِي سَيْفًا يَعْرِفُ الْمُسْلِمَ مِنْ آفٍ مِثْلِي تَكُونُ دِيْعًا لِمُسْلِمٍ أَوْ كَافِرٍ
 آپ مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلمان اور کافر میں تمیز کرے۔

الکافر

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

انشرک اللہ ان تحملنی علی مالا میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ
آپ مجھے اس چیز پر محمول نہ کریں جسے میں خود
اعرف
نہیں جانتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

’آپ مجھے اس پر مجبور نہ کریں جس کو میرا دل نہیں چاہتا۔‘

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ان اقاتل بسیفی ما قوتل به
المشرکون فاذا قوتل اهل الصلوة ضربت به ضحرح حد حتی ینکسرو
قد کسرتہ بالامس۔
رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں
اپنی تلوار سے اس وقت تک لڑوں جب تک
اس سے مشرکین سے جنگ کی جائے اور جب
نمازیوں سے جنگ ہو تو اسے جبل احد کے کسی
پتھر پر ماروں تاکہ ٹوٹ جائے میں نے کل
اپنی تلوار توڑ دی ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے عرض کیا:

اعفنی انخرج معک فی هذا لوجه فانی عاہدت اللہ ان لا اقاتل من
یشہد ان لا الہ الا اللہ۔
آپ مجھے اپنے ساتھ نکلنے سے معاف کیجئے
میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت
پڑھنے والے سے جنگ نہیں کروں گا۔

اس کنارہ کشی سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہوا کہ طالبانِ قصاص کا ایک لشکر جرار بصرہ میں
اکٹھا ہو گیا اس لشکر کے خلوص اور جذبہ للہی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انتہائی

اشتعال کے باوجود سبھی نے توازن اور اعتدال کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اعلان عام کیا گیا کہ:
'جبتنے لوگ قتل عثمان ذی النورین میں شریک ہیں وہ جماعت سے باہر ہو جائیں'۔

اس اعلان نے لشکر عائشہ کے نقطہ نظر کو واضح کر دیا کہ اُن کا مقصد تعمیری ہے۔
اس جذبہ حق پسندی نے فریقین کے قلوب کو صلح و آتش کی طرف قدرتنا موڑ دیا اور تھوڑی سی
جدوجہد کے بعد فریقین اس بات پر متفق ہو گئے کہ سب مل کر قاتلان عثمان سے قصاص لیں گے
اور خلافتِ علی کو عملاً مستحکم کیا جائے گا۔ یعنی تکمیل بیعت بھی کی جاتی رہے گی کہ آنے والی صبح
کو عہد نامہ مرتب ہونا قرار پایا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

دعوتوا جميعا على الصلح و باتوا فریقین صلح پر تیار ہو گئے اور چین کی نیند سوئے
بخير ليلة يبيتو بمثلها للعافية و بات ایسے اطمینان کی نیند اب تک نہ لے سکے تھے لیکن
الذين اثاروا امر عثمان بشر ليلة جنھوں نے حضرت عثمان کے خلاف ہنگامہ برپا
باتوها قاط۔ کیا تھا اُن کی نیند اس رات حرام ہو گئی تھی۔

شرابِ معصیت سے بدست ان مفسدین کو آج رات نیند صرف اس لیے نہیں آرہی
تھی کہ یہ صلح فقط صلح نہ تھی بلکہ اُن کے لیے پیغامِ موت تھی دُنیا کے لیے گناہوں کا وبال سر پر
رکھنے والے اتنی آسانی سے دُنیا چھوڑنے کہیں راضی ہو سکتے تھے؟ چنانچہ رات کی تاریکی
نے جب زلفِ سیہ کو فضا میں لہرایا تو مفسدین کے تاریک قلوب تقویت محسوس کرنے لگے۔
فریقین محو خواب ہیں مفسدین نے موقع سے فائدہ اُٹھایا اور خیمہ عائشہ پر ظلمت شب کو
ڈھال بنا کر تیر برسانا شروع کر دیا۔ اللہ اللہ اس عائشہ پر تیر برسائے جا رہے ہیں جن کی
فراستِ دینی اور تفقہ فی الدین پر اجلہ صحابہ و خلفائے راشدین کو اعظام اور بھروسہ تھا۔

جن کی شانِ عفت پر آیات کا نزول ہوا۔ صحابہ کے پرچہ مسائل کی گڑھوں کو جن کے ناخن تدبیر نے کھول دیا ہو۔ جس نے بلا واسطہ درس گاہِ نبوت سے فیض حاصل کیا ہو۔ جن کے مقدس اور پاکیزہ حجرے میں جبریل امین وحی لے کر حاضر ہوئے ہوں۔ ہاں وہی سیدہ عائشہ جن کے لیے قرآن مجید کا ارشادِ محکم ہے ﴿الْأَنْبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ ۱ اور آج مومنین کی اس ماں پر تیر کی بارش ہو رہی ہے۔ ایک عائشہ اور طلحہ اور زبیر ہی کیا، دُنیا کا کوئی بھی آدمی ہوتا تو غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہی کہتا کہ لشکرِ علی سے آنے والا تیر اس بات کی دلیل ہے کہ علی نے عہد شکنی کی۔

نتیجتاً لشکرِ عائشہ نے بھی جوابی تیر برسائے۔ اس موسلا دھار بارش کی جب چند چھینٹیں خیمہ علی پر پڑیں تو مومن کا دل و دماغ سوچنے لگا کہ تیر اس علی پر برسائے جا رہے ہیں جن کا تذکرہ قرآن و احادیث میں جن کے محاسنِ اخلاق تاریخِ اسلام میں تہذیب و تمدنِ اخلاق و تدین، عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت اور بے پناہ شجاعت اور استقامت کے تذکرے صدیقین شہداء، صالحین کی زبانوں پر۔ غرض یہ کہ جن کا چرچا بخروند پر، فرش و عرش پر ہے آج اُسی علی کے خیمہ کو تیروں سے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ ایک علی ہی کیا دُنیا کا کوئی بھی انسان ہوتا تو غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہی کہتا کہ لشکرِ عائشہ سے آنے والا تیر اس بات کی دلیل ہے کہ عائشہ نے عہد شکنی کی۔

بہر حال لڑائی چھڑ گئی اور ہر فریق یہ سوچتا رہا کہ مدافعت صرف ہم کر رہے ہیں۔ لشکرِ مخالف ہی جارح اور عہد شکن ہے اسی طرح مفسدین اپنے ارادوں میں اس اسکیم کے ذریعہ کامیاب ہو گئے۔ صلحِ جنگ میں بدل گئی اور مسئلہ قصاص پھر کچھڑی میں پڑ گیا۔

اختلافات بڑھ گئے اور جان اس کی بچ گئی جن کی بچنی نہیں چاہئے تھی۔ مفسدین کی اس عیاری سے جو جنگ ہوئی اسی کو جنگ جمل کہتے ہیں۔

قصاص عثمانی کے جذبہ بے پناہ کے نتیجہ میں دوسری جنگ ظہور پذیر ہوئی جسے جنگ صفین کہتے ہیں مگر اس جنگ میں طالبانِ قصاص کے قائد رہبر حضرات عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بجائے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم تھے گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہی حکم اختلاف بلند کیا جو اس سے پہلے حضرات عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے بلند کئے تھے۔

اس سے قبل کے میں 'آویزش صفین' پر قلم اٹھاؤں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف کرادوں۔

وَمِنْ بَيْنِ لَطَمِي نِي مُعَاوِيَةَ
فَذَاكَ كَلْبٌ مِنْ كَلَابِ الْهَافِيَةِ

حضرت امیر مومنان رضی اللہ عنہا وہ یہ طرحین کرنیوالا دونخ کا گستا ہے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ 'بیت ابی سفیان' جو بجا طور پر 'بیت النور' کہلانے کا مستحق ہے کہ ایسے گوہر تابدار اور اسلام کے ایسے بطل جلیل ہیں جن کے مقناطیسی کارناموں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے اسی لیے ملت اسلامیہ کا کوئی فرد ان کے کارناموں کو فراموش نہ کر سکا۔

حلیہ مبارک :- جس طرح آپ سیرت و کردار میں اعلیٰ تھے اسی طرح آپ کی صورت میں ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ رنگ سرخ و سپید کا امتزاج سرودہ، بھیم و شمیم وضع قطع اور چال ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی اور چتون شیر کے مانند۔ صورت و جہہ، بظاہر شان و شوکت اور تمکنت لیکن مزاج میں زہد و تواضع اور فروتنی، نہایت درجہ بردبار، حلیم اور وسیع القلب، فقیر کی مسکنت اور امیر کی تمکنت کا بہترین امتزاج، ڈاڑھی گھنی مہندی اور رسمہ کے خضاب سے رنگی ہوئی۔

گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پورا حلیہ مبارک جلال و جمال کا حسین اور پُر کیف سنگم تھا۔

اسلام معاویہ رضی اللہ عنہ :- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد اسلام قبول کیا ہے۔ امام عساکر نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ اور عمرہ قضا کے درمیان اسلام قبول کیا۔ ۱

اس امر کی تائید و تصدیق صحیح بخاری کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور انور ﷺ کے بال کی تقصیر کی ہے مردہ کے نزدیک اور

حضور ﷺ نے تقصیر فرمائی ہے عمرہ قضاء میں جو حدیبیہ کے بعد ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور بحالت مسلمان عمرہ قضاء میں (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) شریک تھے۔

اب رہا اسلام چھپانا تو اگر عذر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی بدر کے دن مسلمان ہوئے تھے مگر فتح مکہ تک اسلام کو پردہ خفا میں رکھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے 'قبل فتح مکہ' ایمان لانے کا تذکرہ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی کیا ہے:

معاویہ بن ابی سفیان خلیفۃ حضرت معاویہ خلیفہ اور صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے۔ صحابی اسلم قبل الفتح۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھریلو ماحول کا دباؤ دراصل اظہار میں مانع تھا کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس زمانے میں قریش کے سردار اور قائد تھے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ مصطفیٰ نور مجسم کا وہ نورانی چشمہ جاری ہو پڑے جس کو بند کرنے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

اسلمت يوم عمرة القضاء ولكنى كنت في
میں عمرہ قضاء کے روز اسلام لایا تھا مگر اپنے
والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو
چھپائے رکھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اسلام کو مخفی رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود اُن کے والد کو پتہ چل ہی گیا چنانچہ ایک دن انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

هذا اخوك يزيد وهو خير منك على تم سے تو تمہارا بھائی یزید ہی اچھا ہے جو
دین قومہ ل اپنے قومی یعنی آبائی دین پر قائم ہے۔

دارتہ بھی یہی بات صحیح اور درست ثابت ہوتی ہے کیونکہ 'فتح مکہ' سے قبل حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے
والد اور خاندان کے دوسرے افراد ان جنگوں میں پیش پیش تھے۔ ۲
مشہور مورخ مصطفیٰ بک نجیب رقمطراز ہیں:

'جہاں تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے اُن کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے
سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا جو جنگ بدر کے موقع پر ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے
اسلام کا اعلان آپ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ
کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا'۔ ۳
اب جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے بہت پہلے صلح حدیبیہ اور عمرہ قضاء
کے درمیان ایمان لائے تو انکا شمار 'مولفۃ القلوب' میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مولفۃ القلوب کا
وجود فتح مکہ کے بعد ہوا ہے اور جو کچھ حضور ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا
وہ بطور تالیف نہ تھا بلکہ عطائے محض تھی۔ جس طرح سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عباس
رضی اللہ عنہ کو مال بحرین سے عطا فرمایا تھا جس کا مقصود تالیف قلب نہ تھا بلکہ وہ عطائے محض
تھی۔ (ملاحظہ ہو: تعلیم البنان واللسان ابن حجر مکی)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہ رسالت میں :-

تعلیم کتاب کی دُعا حضور آریہ رحمت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دو ایک صحابہ کے لیے فرمائی ہے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی ہے کہ وہ بھی انھیں حضرات میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ امام ابن کثیر اپنی تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے یہ دُعا یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ۱
اے اللہ ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور عذاب سے محفوظ فرما۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں :

اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَمَكَّنْ فِي الْبِلَادِ وَقِهِ فِي الْعَذَابِ ۲
اے اللہ ! معاویہ کو کتاب کا علم سکھا دے اور اُن کو شہروں میں حکومت عطا فرما اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

امام بخاری اپنی تاریخ کبیر میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں :

اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ۳
اے اللہ ! معاویہ کو علم حساب عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔

امام ابن کثیر نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن بسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا :
فانه قوى امين - ۴
معاویہ قوی اور امین ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کر رہے تھے۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے مصطفیٰ جانِ رحمت نے
میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

یا معاویہ ان ولیت امر فاتق اللہ اے معاویہ اگر تمہیں حکومت ملے تو اللہ
وعدل! سے ڈرنا اور عدل سے کام لینا۔

امام ابن اثیر یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

ان ولیت فاحسن! اگر تم والی بنو تو حسن سلوک سے کام لینا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسلامیہ کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی بے
پناہ طاقت و قوت، عزم و استقامت کے متعلق سرکارِ رسالت ﷺ کا ارشاد مبارک جس پر
تاریخی حقائق بھی شاہدِ عدل ہیں کہ

ان معاویہ لا یصارع احدا الا صرعه لڑ بھڑ کر معاویہ پر غلبہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔
معاویہ ۲

آخرت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انعاماتِ الہی اور فیوضِ ربانی کا ذکر
سرکارِ ابد قرار علیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

بعث معاویہ یوم القيامة وعليه رداء اللہ تعالیٰ بروز قیامت معاویہ کو اس حالت میں
نور الایمان ۲ اٹھائے گا کہ ان پر نورِ ایمان کی چادر ہوگی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبویہ

نے ان الفاظ میں کیا ہے:

معاویہ میری امت میں سب سے بڑا حلیم ہے

احلم أمتی معاویہ ۱

ایک موقع پر فرمایا:

اللہم اجعلہ ہادیا ومہدیا واہدیه ۲ اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی اور

لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ ہم عصر میں :-

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

لو اصبحتہم فی مثل عمل معاویہ اگر تم معاویہ کے سے حالات و معاملات

میں ہوتے تو پکاراٹھتے کہ یہ 'مہدی' ہے۔

تعال اکثرکم هذا مہدی۔

اسی بات کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابواسحاق السبعی نے

ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لو ادرکتہموا ادرکتہم ایامہ تعلتم کان اگر تم معاویہ کو پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی

مہدی ہیں۔

المہدی۔ ۳

علامہ ابن جریر طبری نے قبصہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ

انہوں نے فرمایا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا، اُن سے زیادہ میں نے کسی فقیہ اور

دینی ممارست والا نہیں دیکھا پھر میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا،

اُن سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

ثم صحبت معاویہ فما رأیت رجلا
احب رفيقا ولا اشبه سريرة بعلانية
پھر میں حضرت معاویہ کی صحبت میں رہا اُن سے
زیادہ میں نے کسی کو دوستوں کو محبوب رکھنے والا
نیز ظاہر و باطن میں یکساں کسی کو نہیں دیکھا۔
منہ ۱

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا یہ حسین امتزاج ہی دراصل ایک آدمی کے
کیرکٹر کا نقطہ عروج ہے اسی وجہ سے حضرت سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں ہیں
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صدق کی وجہ سے 'المکھف' کے نام سے پکارتے تھے ۲
حضرت مجاہد کے یہ الفاظ منقول ہیں :

لو ادرکتُم معاویہ تعلتُم ہذی المہدی
اگر تم معاویہ کو پالیتے تو بول اُٹھتے کہ یہی
مہدی ہیں ۳

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تالیف قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں
خاص اہتمام فرماتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں
سے ہیں۔ امیر المومنین کے بارے میں فرماتے ہیں :

ما رأیت احدا بعد عثمان اقضى من
ہذا الباب یعنی معاویہ ۴
میں نے عثمان کے بعد اس دروازے والے
یعنی معاویہ کو بہتر فیصلہ کرنے والا پایا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ما رأیت احدا اشبه صلوة بصلوة
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
امامکم هذا یعنی معاویہ۔ ۵
میں نے تمہارے امام یعنی معاویہ کی نماز کو
رسول اللہ ﷺ کی نماز سے غیر معمولی
مشابہ پایا۔

۱ تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۸ ج العواصم من القواصم ۲۰۵ تعلیقہ ج ۱۰ القواصم ۲۱۰ تعلیقہ ج ۱۰ المہدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۳

۵ منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۸۵

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فقہی اعتراض کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا وہ صحیح بخاری میں یوں ہے:

اصاب فانه فقيه . ۱ ٹھیک ہے بیشک وہ فقیہ ہیں۔

گور زحمص حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اُن کے علاقے کو کر دیا تو لوگوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض اس قسم کی شکایتیں کیں کہ وہ ابھی نو جوان اور ناتجربہ کار ہیں تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

لا تذکروا معاویہ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول اللهم اهدیہ . ۲ معاویہ کی اگر بات کرنی ہے تو بھلائی سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ معاویہ کو

ذریعہ ہدایت بنا۔

اسی طرح ایک اور روایت امام ابن کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ عمیر (رضی اللہ عنہ) تجربہ کار اور کہنہ مشق گورزر ہیں اُن کی جگہ پر معاویہ (رضی اللہ عنہ) مناسب نہیں اس لیے کہ ابھی یہ نو جوان ہیں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جوابا فرمایا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا ذکر جسے بھی کرنا ہو وہ بھلائی سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔ ۳

قارئین کو مذکورہ بالا بیس (۲۰) شہادتوں سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سید کائنات ﷺ اور اکابر صحابہ کے نزدیک ہادی و مہدی، لائق و فائق، فقیہ و مجتہد، ظاہر و باطن میں یکساں، شفیق و رحم دل اور حلیم بردبار تھے نیز آپ کی نماز نبی کریم ﷺ کی نماز سے غیر معمولی مشابہ تھی۔

کتابت وحی :-

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دو عالم ﷺ کو آپ پر بے پناہ اعتماد تھا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت سے کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ تقریب التہذیب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے 'کتابت وحی' کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

معاویہ بن ابی سفیان خلیفۃ
صحابی اسلم قبل الفتح و کتب
حضرت معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ اور صحابی ہیں
فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور کتابتِ وحی تھے۔
الوحی۔ ۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'کاتبِ رسول' خود شیعی مورخ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے :
کان احد کتاب رسول اللہ ﷺ ۲
حضرت امیر معاویہ رسول اللہ ﷺ کے
کاتبوں میں سے تھے۔

بہر حال وحی الہی کی کتابت کے لیے کسی ایسے ہی مخلص ترین شخص کو منتخب کیا جاسکتا ہے جس کی عظمتِ ایمانی اور طہارتِ قلبی ناقابلِ انکار ہو۔ اسی لیے شامان معاویہ نے اپنے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے اس بات کو کافی اچھالا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو

صرف خط و کتابت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ گویا اُن لوگوں کے نزدیک 'نبی کی نبوت' اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لیے معاذ اللہ امانت و ایمان ضروری نہ ہو۔ حالانکہ جملہ نامہ ہائے مبارک جو قیصر و کسریٰ کو روانہ کئے گئے وہ سب وحی الہی کے تحت ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النبم/۳)
 وہ تو صرف وحی ہے جو انھیں کی جاتی ہے۔

یہ مقام غور و فکر ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'عالم حساب و کتاب، ہادی و مہدی، قوی و امین، حاکم حکومت اسلامیہ اور محفوظ عن العذاب کے روپ میں دیکھنے کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے ہیں۔ جو قطعاً مستجاب ہوئیں۔ پھر ایسی صورت میں اگر کوئی شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارناموں اور اُن کی بے پناہ مقبول شخصیت میں نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاریخ کے بعض لغو، مہمل، ساقط الاعتبار اور موضوع روایات کا سہارا لے کر اُن کی طرف ناشائستہ اعمال و افعال منسوب کرتا ہے جو ہدایت و حکمت سے خالی ہوں تو معترض اور مفتری کو خود اپنے لیے ہدایت تلاش کرنی چاہئے۔

اللہ اللہ! آج بعض لوگ اس ذاتِ بابرکات سے متنفر نظر آتے ہیں جو نگاہِ رسالت میں ہدایت یافتہ تھی، قوی و امین تھی، حلیم و بردبار تھی۔ ایک امتی کے لیے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اُس کا 'رسول' اس دُنیا میں اُس کے لیے دین کی سمجھ اور آخرت میں 'عذاب سے محفوظیت' کی دُعا فرمائے۔ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیر پر آج اہل بصیرت جتنا بھی رشک کریں کم ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں :-

عہد صدیقی میں حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ جانے والے لشکر مجاہدین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک سرگرم مجاہد کے روپ میں شامل تھے اور اس لشکر کے ہر اول دستے کی علم برداری بھی انھیں کے ذمہ تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود قیادت کے فرائض انجام دیے۔ ۱۔

دور صدیقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تربیتی دور (Training period) تھا۔ نبی اور صدیق کی نورانی قیادت سے انھوں نے جو اخذ فیض کیا تھا اور قریش کی وہ امتیازی شان جو ان میں موجود تھی اس کے جوہر دکھلانے کا موقع ان کو دراصل عہد فاروقی و عثمانی میں میسر آیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں :-

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا رسالت کی زبان حق ترجمان نے ان کو تسبیح من سیف اللہ۔ (اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار) فرمایا تھا۔ تقریباً سو سو لاکھوں میں کفار و مشرکین سے جہاد کیا۔ غزوہ موتہ، سریہ نجران، سریہ عزی، نزار، کسکر، عین التمر، حصید، فنافس، شام، عراق، یرموک، حمص اور بیت المقدس کی فتوحات ہی نہیں بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیان نبوت کا استیصال آپ ہی کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔

ان الفتوح اهل الودۃ کلھا کانت الخالد بن الولید ۲
مرتدین کی سرکوبی تمام تر خالد بن ولید کے ذریعہ ہوئی۔

اور اللہ کی اسی تلوار کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صرف اس لیے معزول کر دیا کہ انھوں نے ایک قصیدہ گو کو بطور انعام کچھ روپیہ دے دیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ تاجدار کائنات ﷺ کے ماموں اور اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹے یا ساتویں ہیں۔ بلکہ غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ، غزوہ طائف، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے مجاہد جانا ز تھے، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران اور بانی کوفہ تھے، ایسے صاحب فضل و کمال کے مکان کی ڈیوڑھی کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے جلوہ دیتے ہیں کیونکہ انھیں اطلاع ملی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ ۱۔

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی اور مصر کے گورنر تھے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کے مطابق وہ باریک کپڑا پہنتے تھے اور اُن کے دروازے پر دربان مقرر تھا۔ ۲۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور بہترین ماہر قرآن تھے ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو ایک کوڑا اس لیے مارا کہ ایک مرتبہ جب محفل سے اُٹھے تو کچھ لوگ تعظیماً اُن کے ساتھ ہوئے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے جب وجہ تنبیہ پوچھی تو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما ترى فتنة للمتبع ومذلة للتابع
تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے
فتنہ اور تابع کے لیے سبب ذلت ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا والیانِ مملکت اور اکابر صحابہ کے ساتھ اس قدر سخت احتساب اور اُن حضرات کے اخلاق و اطوار کی نگرانی اس لیے تھی کہ اگر اُن میں اخلاق و تدین کی ذرہ برابر کمی رہی تو رعایا میں فقدان ملے گا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ معمولی بات پر سپہ سالاروں اور گورنروں کو معطل کر دیا کرتے تھے اسی لیے عہد فاروقی میں برابر تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔ مگر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ صلاحیت اور غیر معمولی مقبولیت کا یہ نتیجہ و ثمرہ تھا کہ ولایتِ شام کے نورانی اور اسلامی مسند پر برسوں رونق افروز رہے، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہِ عزل اور اُن کی طرف کبھی نہیں اٹھی بلکہ، خلیفہ راشد کا اعتماد آپ پر روز افزوں بڑھتا ہی جاتا تھا۔ معزول کرنا، یا کسی قسم کی تبدیلی کو بروئے کار لانا تو بڑی بات ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیارات دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔

اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، کامل اعتماد کے قابل تھے امورِ جہاں بانی میں طرہ امتیاز حاصل تھا۔ اخلاق و تدوین اور اسلامی تہذیب و تمدن سے بھرپور تھے۔ محبوب ہر خاص و عام تھے۔ قریش کی امتیازی صلاحیتیں اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ ایسی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار میں کمزوری پیدا کرنا، یا اُن کا نام سنتے ہیں ناک بھوں چڑھانا یا بعض غالیوں کی طرح 'تلاوتِ تبرا' میں مشغول ہو جانا اگر ایک طرف سخت محرومی کی بات ہے تو دوسری طرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صلاحیتِ انتخاب کے لیے کھلا چیلنج ہے۔

بیت المقدس کی حاضری پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استقبال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت سے کیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی؟

اس سوال کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکیمانہ جواب دیا :

انا بارض جراسیس العدو فیہا ہم ایک ایسی زمین میں ہیں جہاں ہم
کثیرہ فیجب ان تظہر من عز وقت دشمن کے جاسوس کثیر تعداد میں رہتے
السلطان ما کیون فیہا عز الاسلام ہیں لہذا اُن کو مرعوب کرنے کے لیے
واہلہ و نرہبہم بہ۔ ظاہری شان و شوکت ضروری ہے اس میں

اسلام اور مسلمان کی عزت ہے۔

یہ سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا 'امیر المومنین' دیکھئے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کتنی خوب صورتی سے اپنے آپ کو الزام سے بچا گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

'جب ہی تو یہ بارگراں ہم نے اُن پر ڈالا ہے۔'

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن

خلدون اپنے 'مقدمہ' میں فرماتے ہیں :

چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل کی جاحق و دین کے مقاصد پر رکھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے کلام کی تردید نہیں فرمائی۔ اب یہاں یہ بات قابل لحاظ

ہے کہ سلطنت اگر سرے سے ہی قابل ترک و اجتناب ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو تسلیم نہیں کرتے جو انھوں نے شان و شوکت کی توجیہ میں پیش کیا۔ بلکہ اس کو ترک ہی کا حکم دیتے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ 'معاویہ یہ کیا دکھاوا ہے'۔ اس سے اشارہ اہل فارس کی ان باطل پرستی و خواہش رانی نہیں ہے۔ بلکہ میرے سامنے دینی مقصد ہے اور اسی پر عمل کی بنا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوئے۔ ۱۔

کفار و مشرکین کو مرعوب کرنے کے لیے اور ان کے دلوں پر ہیبت اسلامی طاری کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی شخصیت کو ابھار کر پیش کیا اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی کانپ جاتے تھے۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شہادت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بعد فتوحات اسلامیہ کا جو سلسلہ بند ہو گیا تھا نہ صرف یہ کہ وہ کھل گیا بلکہ اسلام کی جڑیں اتنی تیزی سے ہر چہار طرف بڑھنے لگیں کہ کفار اپنے وجود کو ہر وقت غیر یقینی تصور کرنے لگے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو عجب نہ ہوتا کہ اسلام پورے ایشیاء کا واحد مذہب ہوتا۔

سرکار بغداد پیران پیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حضرت اقدس کبھی فاخرانہ لباس میں جلوہ گر ہوتے تو کبھی لباس فقیرانہ میں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پیش نظر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی رہی ہو۔ کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگر ایک طرف لباس فاخرانہ زیب تن فرمایا تو دوسری طرف لباس فقیرانہ سے بھی ملبوس ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب 'کتاب الزہد' میں قوی سند سے علی ابن ابی حملہ کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رأيت معاوية على المنبر بدمشق
يخطب الناس وعليه ثوب مرقوع.
میں نے معاویہ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا آپ پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کا گریبان پھٹا ہوا تھا اور اسی حالت میں آپ بازار دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

يونس بن ميسر الحميمي الزاهد جو کہ امام اوزاعی کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:
رأيت معاوية في سوق دمشق وهو
مردف وراه وضيعا وعليه قميص
مرقوع الجيب يسير في اسواق دمشق.
میں نے معاویہ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ یعنی پھٹا ہوا تھا اور اس حالت میں آپ بازار دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

حالانکہ آپ دمشق کے پر جلال گورنر تھے۔ بہر حال مذکورہ بالا معتبر ترین روایات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبعاً سادہ مزاج اور بے تکلف اور منکر الطبیعت تھے اب اگر وہ کبھی لباس فاخرانہ زیب تن فرماتے ہیں تو اس کا سبب یا تو وقت کا تقاضا یا اس کی سیاسی ضرورت ہے۔ جس سے اسلام اور اہل اسلام کو فروغ حاصل ہو یا اس کے پس پردہ 'الناس باللباس' کا حکیمانہ مفہوم۔

عہد فاروقی میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقبولیت عامہ کے ساتھ ساتھ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہ فاروقی میں کس مقام کے حامل تھے تو اس

بات کا اندازہ آپ مصری مورخ محمد حسین ہیکل کی کتاب الفاروق ۱ کی بس ایک ہی روایت سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔ مصری مورخ رقم طراز ہے۔

’جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کا علاقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وجہ معزولی پوچھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انھیں معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت ہے‘۔ ۲

ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت پڑنے پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنا اس بات کی تین دلیل ہے کہ ایک قائد اور امیر میں جو اخلاقی قد ریں اور مذہبی صلاحیتیں ہونی چاہئیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں:

قلم میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد عثمانی میں ہونے والے کارناموں کو وہ ضبط تحریر میں لاسکے۔ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو فضل و کمال کا بحر ناپید کنار ہو۔ جس کی وسعتوں کو دیکھ کر بحر عرب خود کو جھیل تصور کرنے لگے پھر ایسی بے مثال شخصیت والے کے کارناموں پر قلم کی حد بندی کیونکر درست ہو سکتی ہے نمونہ اور اختصاراً ہم صرف ایک کارنامے کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہ رسالت میں :-

تعلیم کتاب کی دُعا حضور آریہ رحمت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دو ایک صحابہ کے لیے فرمائی ہے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی ہے کہ وہ بھی انھیں حضرات میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ امام ابن کثیر اپنی تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے یہ دُعا یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ! اے اللہ ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور عذاب سے محفوظ فرما۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَمَكَّنْ فِي الْبِلَادِ وَقِهِ فِي الْعَذَابِ ! اے اللہ ! معاویہ کو کتاب کا علم سکھا دے اور اُن کو شہروں میں حکومت عطا فرما اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

امام بخاری اپنی تاریخ کبیر میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں:

اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ! اے اللہ ! معاویہ کو علم حساب عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔

امام ابن کثیر نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن بسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: فانه قوى امين۔ معاویہ قوی اور امین ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کر رہے تھے۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے مصطفیٰ جانِ رحمت نے
میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

یا معاویہ ان ولیت امر فاتق اللہ اے معاویہ اگر تمہیں حکومت ملے تو اللہ
وعدل ۱

امام ابن اثیر یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

ان ولیت فاحسن ۲
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسلامیہ کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی بے
پناہ طاقت و قوت، عزم و استقامت کے متعلق سرکارِ رسالت ﷺ کا ارشاد مبارک جس پر
تاریخی حقائق بھی شاہدِ عدل ہیں کہ
ان معاویہ لا یصارع احدا الا صرعه لڑ بھڑ کر معاویہ پر غلبہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔
معاویہ ۳

آخرت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انعامات الہی اور فیوض ربانی کا ذکر
سرکارِ ابد قرار علیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:
بعث معاویہ یوم القيامة وعليه رداء اللہ تعالیٰ بروز قیامت معاویہ کو اس حالت میں
نور الایمان ۴ اٹھائے گا کہ ان پر نورِ ایمان کی چادر ہوگی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبویہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

احلم أمتی معاویہ ۱
معاویہ میری امت میں سب سے بڑا حلیم ہے
ایک موقع پر فرمایا:

اللّٰهُم اجعله هاديا ومهديا واهديه ۲
اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی اور
لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ ہم عصر میں :-

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

لو اصبحتهم فی مثل عمل معاویہ
اگر تم معاویہ کے سے حالات و معاملات
میں ہوتے تو پکاراٹھتے کہ یہ 'مہدی' ہے۔
تعال اکثرکم هذا مہدی۔

اسی بات کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابواسحاق السبعی نے
ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لو ادرکتوا ادرکتما ایامہ تعلتم کان
اگر تم معاویہ کو پا لیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی
مہدی ہیں۔
المہدی۔ ۳

علامہ ابن جریر طبری نے قبصہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ
انہوں نے فرمایا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا، اُن سے زیادہ میں نے کسی فقیہ اور
دینی مہارست والا نہیں دیکھا پھر میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا،
اُن سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

ثم صحبت معاویہ فما رأیت رجلا
احب رفیقاً ولا اشبه سریرة بعلانية
پھر میں حضرت معاویہ کی صحبت میں رہا اُن سے
زیادہ میں نے کسی کو دوستوں کو محبوب رکھنے والا
نیز ظاہر و باطن میں یکساں کسی کو نہیں دیکھا۔
منہ ۱

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا یہ حسین امتزاج ہی دراصل ایک آدمی کے
کیرکٹر کا نقطہ عروج ہے اسی وجہ سے حضرت سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں ہیں
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صدق کی وجہ سے 'المکھف' کے نام سے پکارتے تھے ۲
حضرت مجاہد کے یہ الفاظ منقول ہیں:

لو ادرکتُم معاویہ تعلتُم ہذی المہدی
اگر تم معاویہ کو پالیتے تو بول اُٹھتے کہ یہی
مہدی ہیں ۳

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تالیف قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں
خاص اہتمام فرماتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں
سے ہیں۔ امیر المومنین کے بارے میں فرماتے ہیں:

ما رأیت احدا بعد عثمان اقصی من
ہذا الباب یعنی معاویہ ۴
میں نے عثمان کے بعد اس دروازے والے
یعنی معاویہ کو بہتر فیصلہ کرنے والا پایا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رأیت احدا اشبه صلوة بصلوة
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
امامکم هذا یعنی معاویہ۔ ۵
میں نے تمہارے امام یعنی معاویہ کی نماز کو
رسول اللہ ﷺ کی نماز سے غیر معمولی
مشابہ پایا۔

۱ تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۸ ح العوام من القوام ۲۰۵ تعلیق ح العوام من القوام ۲۱۰ تعلیق ومع البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۳

۲ منہاج النہج ج ۳ ص ۱۸۵

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فقہی اعتراض کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا وہ صحیح بخاری میں یوں ہے:

اصاب فانہ فقیہ . ۱ ٹھیک ہے بیشک وہ فقیہ ہیں۔

گورنر حمص حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اُن کے علاقے کو کر دیا تو لوگوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض اس قسم کی شکایتیں کیں کہ وہ ابھی نو جوان اور نا تجربہ کار ہیں تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

لا تذکروا معاویہ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول اللهم اھدیہ . ۲ معاویہ کی اگر بات کرنی ہے تو بھلائی سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ معاویہ کو

ذریعہ ہدایت بنا۔

اسی طرح ایک اور روایت امام ابن کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ عمیر (رضی اللہ عنہ) تجربہ کار اور کہنہ مشق گورنر ہیں اُن کی جگہ پر معاویہ (رضی اللہ عنہ) مناسب نہیں اس لیے کہ ابھی یہ نو جوان ہیں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جوابا فرمایا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا ذکر جسے بھی کرتا ہو وہ بھلائی سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'اے اللہ معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا'۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔ ۳

قارئین کو مذکورہ بالا تین (۲۰) شہادتوں سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سید کائنات ﷺ اور اکابر صحابہ کے نزدیک ہادی و مہدی، لائق و فائق، فقیہ و مجتہد، ظاہر و باطن میں یکساں، شفیق و رحم دل اور حلیم بردبار تھے نیز آپ کی نماز نبی کریم ﷺ کی نماز سے غیر معمولی مشابہ تھی۔

کتابت وحی :-

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دو عالم ﷺ کو آپ پر بے پناہ اعتماد تھا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت سے کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ تقریب التہذیب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے 'کتابت وحی' کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

معاویہ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح و کتب
حضرت معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ اور صحابی ہیں فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور کتابتِ وحی تھے۔

الوحی۔ ۱۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'کاتبِ رسول' خود شیعی مورخ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے :
کان احد کتاب رسول اللہ ﷺ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبوں میں سے تھے۔

بہر حال وحی الہی کی کتابت کے لیے کسی ایسے ہی مخلص ترین شخص کو منتخب کیا جاسکتا ہے جس کی عظمتِ ایمانی اور طہارتِ قلبی ناقابلِ انکار ہو۔ اسی لیے شامان معاویہ نے اپنے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے اس بات کو کافی اچھالا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو

صرف خط و کتابت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ گویا اُن لوگوں کے نزدیک 'نبی کی نبوت' اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لیے معاذ اللہ امانت و ایمان ضروری نہ ہو۔ حالانکہ جملہ نامہ ہائے مبارک جو قیصر و کسریٰ کو روانہ کئے گئے وہ سب وحی الہی کے تحت ہے چنانچہ ارشادِ بانی ہے :

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم/۳)
وہ تو صرف وحی ہے جو انھیں کی جاتی ہے۔

یہ مقام غور و فکر ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت معاذیہ رضی اللہ عنہ کو 'عالم حساب و کتاب، ہادی و مہدی، قوی و امین، حاکم حکومت اسلامیہ اور محفوظ عن العذاب کے روپ میں دیکھنے کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے ہیں۔ جو قطعاً مستجاب ہوئیں۔ پھر ایسی صورت میں اگر کوئی شخص حضرت امیر معاذیہ رضی اللہ عنہ کے کارناموں اور اُن کی بے پناہ مقبول شخصیت میں نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاریخ کے بعض لغو، مہمل، ساقط الاعتبار اور موضوع روایات کا سہارا لے کر اُن کی طرف ناشائستہ اعمال و افعال منسوب کرتا ہے جو ہدایت و حکمت سے خالی ہوں تو معترض اور مفتری کو خود اپنے لیے ہدایت تلاش کرنی چاہئے۔

اللہ اللہ! آج بعض لوگ اس ذاتِ باریکات سے متغیر نظر آتے ہیں جو نگاہِ رسالت میں ہدایت یافتہ تھے، قوی و امین تھے، حلیم و بردبار تھے۔ ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اُس کا 'رسول' اس دُنیا میں اُس کے لیے دین کی سمجھ اور آخرت میں 'عذاب سے محفوظیت' کی دُعا فرمائے۔ امیر المومنین حضرت معاذیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیر پر آج اہل بصیرت جتنا بھی رشک کریں کم ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں :-

عہد صدیقی میں حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ جانے والے لشکر مجاہدین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک سرگرم مجاہد کے روپ میں شامل تھے اور اس لشکر کے ہر اول دستے کی علم برداری بھی انھیں کے ذمہ تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود قیادت کے فرائض انجام دیئے۔ ۲

دو صدیقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تربیتی دور (Training period) تھا۔ نبی اور صدیق کی نورانی قیادت سے انھوں نے جو اخذ فیض کیا تھا اور قریش کی وہ امتیازی شان جو ان میں موجود تھی اس کے جوہر دکھانے کا موقع ان کو دراصل عہد فاروقی و عثمانی میں میسر آیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں :-

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا رسالت کی زبان حق ترجمان نے ان کو "سيف من سيف الله" (اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار) فرمایا تھا۔ تقریباً سوا سو لاکھوں میں کفار و مشرکین سے جہاد کیا۔ غزوہ موتہ، سریہ نجران، سریہ عزیٰ، نزار، کسکر، عین التمر، حصید، قنابس، شام، عراق، یرموک، حمص اور بیت المقدس کی فتوحات ہی نہیں بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیان نبوت کا استیصال آپ ہی کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔

ان الفتوح اهل الودعة کلها کانت مرتدین کی سرکوبی تمام تر خالد بن ولید کے ذریعہ ہوئی۔

الخالد بن الوليد ۳

اور اللہ کی اسی تلوار کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صرف اس لیے معزول کر دیا کہ انھوں نے ایک قصیدہ گو کو بطور انعام کچھ روپیہ دے دیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ تاجدار کائنات ﷺ کے ماموں اور اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹے یا ساتویں ہیں۔ بلکہ غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ، غزوہ طائف، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے مجاہد جانا جاتے تھے، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران اور بانی کوفہ تھے، ایسے صاحب فضل و کمال کے مکان کی دیوڑھی کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے جلوہ دیتے ہیں کیونکہ انھیں اطلاع ملی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا ہے جس میں ایک دیوڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ ۱۔

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی اور مصر کے گورنر تھے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کے مطابق وہ باریک کپڑا پہنتے تھے اور اُن کے دروازے پر دربان مقرر تھا۔ ۲۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور بہترین ماہر قرآن تھے ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو ایک کوڑا اس لیے مارا کہ ایک مرتبہ جب محفل سے اُٹھے تو کچھ لوگ تعظیماً اُن کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے جب وجہ تنبیہ پوچھی تو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اماتری فتنۃ للمتبوع ومذلة للتابع
تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے
فتنہ اور تابع کے لیے سبب ذلت ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دایان مملکت اور اکابر صحابہ کے ساتھ اس قدر سخت
 حساب اور اُن حضرات کے اخلاق و اطوار کی نگرانی اس لیے تھی کہ اگر اُن میں اخلاق و
 تدین کی ذرہ برابر کمی رہی تو رعایا میں فقدان طے لگے۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا
 کہ معمولی بات پر پہ سالاروں اور گورنروں کو معطل کر دیا کرتے تھے اسی لیے عہد فاروقی
 میں برابر تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔ مگر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ صلاحیت اور
 غیر معمولی مقبولیت کا یہ نتیجہ و ثمرہ تھا کہ ولایت شام کے نورانی اور اسلامی مسند پر برسوں
 رونق افروز رہے، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہ عزل اور اُن کی طرف کبھی نہیں اٹھی
 بلکہ، خلیفہ راشد کا اعتماد آپ پر روز افزوں بڑھتا ہی جاتا تھا۔ معزول کرنا، یا کسی قسم کی
 تبدیلی کو بروئے کار لانا تو بڑی بات ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیارات دن
 بدن وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔

اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
 بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، کامل اعتماد کے قابل تھے امور جہاں بانی میں طرہ امتیاز
 حاصل تھا۔ اخلاق و تدوین اور اسلامی تہذیب و تمدن سے بھرپور تھے۔ محبوب ہر خاص و
 عام تھے۔ قریش کی امتیازی صلاحیتیں اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ ایسی صورت میں
 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار میں کمزوری پیدا کرنا، یا اُن کا نام سنتے ہیں ناک
 بھوں چڑھانا یا بعض غالیوں کی طرح 'تلاوتِ تمرا' میں مشغول ہو جانا اگر ایک طرف سخت
 محرومی کی بات ہے تو دوسری طرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صلاحیت انتخاب کے
 لیے کھلا چیخ ہے۔

بیت المقدس کی حاضری پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استقبال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت سے کیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی؟

اس سوال کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکیمانہ جواب دیا :

انا بارض جراسیس العدو فيها
کثیرہ فیجب ان تظهر من عز
السلطان ما کیون فيها عز الاسلام
واہلہ ونرہبہم بہ۔
ہم ایک ایسی زمین میں ہیں جہاں ہم
وقت دشمن کے جاسوس کثیر تعداد میں رہتے
ہیں لہذا اُن کو مرعوب کرنے کے لیے
ظاہری شان و شوکت ضروری ہے اس میں

اسلام اور مسلمان کی عزت ہے۔

یہ سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا 'امیر المؤمنین' دیکھتے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کتنی خوب صورتی سے اپنے آپ کو الزام سے بچا گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

'جب ہی تو یہ بارگراں ہم نے اُن پر ڈالا ہے۔'

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن

خلدون اپنے 'مقدمہ' میں فرماتے ہیں :

چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل کی جاثق و دین کے مقاصد پر رکھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے کلام کی تردید نہیں فرمائی۔ اب یہاں یہ بات قابل لحاظ

ہے کہ سلطنت اگر سرے سے ہی قابل ترک و اجتناب ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو تسلیم نہیں کرتے جو انھوں نے شان و شوکت کی توجیہ میں پیش کیا۔ بلکہ اس کو ترک ہی کا حکم دیتے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ 'معاویہ یہ کیا دکھاوا ہے'۔ اس سے اشارہ اہل فارس کی ان باطل پرستی و خواہش رانی نہیں ہے۔ بلکہ میرے سامنے دینی مقصد ہے اور اسی پر عمل کی بنا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوئے۔^۱

کفار و مشرکین کو مرعوب کرنے کے لیے اور ان کے دلوں پر ہیبت اسلامی طاری کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی شخصیت کو ابھار کر پیش کیا اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار 'امیر المومنین' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی کانپ جاتے تھے۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شہادت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بعد فتوحات اسلامیہ کا جو سلسلہ بند ہو گیا تھا نہ صرف یہ کہ وہ کھل گیا بلکہ اسلام کی جڑیں اتنی تیزی سے ہر چہار طرف بڑھنے لگیں کہ کفار اپنے وجود کو ہر وقت غیر یقینی تصور کرنے لگے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو عجب نہ ہوتا کہ اسلام پورے ایشیاء کا واحد مذہب ہوتا۔

سرکار بغداد پیران پیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حضرت اقدس کبھی فاخرانہ لباس میں جلوہ گر ہوتے تو کبھی لباس فقیرانہ میں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پیش نظر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی رہی ہو۔ کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگر ایک طرف لباس فاخرانہ زیب تن فرمایا تو دوسری طرف لباس فقیرانہ سے بھی ملبوس ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب 'کتاب الزہد' میں قوی سند سے علی ابن ابی حمزہ کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رأيت معاوية على المنبر بدمشق
يخطب الناس وعليه ثوب مرقوع.
میں نے معاویہ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا آپ پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کا گریبان پھٹا ہوا تھا اور اسی حالت میں آپ بازار دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

يونس بن ميسرة الحميمي الزاهد جو کہ امام اوزاعی کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:
رأيت معاوية في سوق دمشق وهو
مردف وراه وضيعا وعليه قميص
مرقوع الجيب يسير في اسواق دمشق.
میں نے معاویہ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ یعنی پھٹا ہوا تھا اور اس حالت میں آپ بازار دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

حالانکہ آپ دمشق کے پر جلال گورنر تھے۔ بہر حال مذکورہ بالا معتبر ترین روایات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبعاً سادہ مزاج اور بے تکلف اور منکر الطبیعت تھے اب اگر وہ کبھی لباس فاخرانہ زیب تن فرماتے ہیں تو اس کا سبب یا تو وقت کا تقاضا یا اس کی سیاسی ضرورت ہے۔ جس سے اسلام اور اہل اسلام کو فروغ حاصل ہو یا اس کے پس پردہ 'الناس باللباس' کا حکیمانہ مفہوم۔

عہد فاروقی میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقبولیت عامہ کے ساتھ ساتھ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہ فاروقی میں کس مقام کے حامل تھے تو اس

بات کا اندازہ آپ مصری مورخ محمد حسین بیگل کی کتاب الفاروق ۱ کی بس ایک ہی روایت سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔ مصری مورخ رقم طراز ہے۔

’جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کا علاقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وجہ معزولی پوچھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انھیں معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت ہے۔‘ ۲

ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت پڑنے پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنا اس بات کی تین دلیل ہے کہ ایک قائد اور امیر میں جو اخلاقی قد ریں اور مذہبی صلاحیتیں ہونی چاہئیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں:

قلم میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد عثمانی میں ہونے والے کارناموں کو وہ ضمیمہ تحریر میں لاسکے۔ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو فضل و کمال کا بحر ناپید کنار ہو۔ جس کی وسعتوں کو دیکھ کر بحر عرب خود کو جھیل تصور کرنے لگے پھر ایسی بے مثال شخصیت والے کے کارناموں پر قلم کی حد بندی کیونکر درست ہو سکتی ہے نمونہ اور اختصار اہم صرف ایک کارنامے کا ذکر کرتے ہیں۔

بحری بیڑہ :-

قبرص جس کو سائپرس (Cyprus) بھی کہتے ہیں شام سے متصل بحیرہ روم میں ایک غیر معمولی دلکش اور اہم جزیرہ ہے۔ اس جزیرے کی اہمیت سیاسی طور پر اس لیے بڑھی ہوئی تھی کہ شام اور مصر جیسے مفتوح علاقوں کی حفاظت اور رومیوں کے خطروں کا انسداد اس وقت تک ممکن ہی نہیں تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے زیر نگین نہ ہو جائے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ بنانے کی اجازت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے طلب کی تو امیر المومنین نے اپنی گونا گوں مصروفیات، توسیع مملکت میں مجاہدین کے انہماک اور اس نئے تجربے سے متعلق نت نئے خدشات کے پیش نظر انکار کر دیا لیکن وہ اصرار ہی کیا جو انکار کو اقرار میں نہ بدل دے۔ چنانچہ عہد عثمانی میں یہی ہوا اور امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ دربار خلافت سے اجازت ملتے ہی حضرت امیر شام رضی اللہ عنہ نے پانچ سو جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ بنایا۔ کچھ دنوں بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک معرکتہ الآراء بحری لڑائی لڑنی پڑی۔

۳۱ھ میں قیصر روم سواصل شام پر حملہ کرنے کے لیے ایک عظیم الشان بحری بیڑہ بھیجا۔ اس بیڑے کی باگ ڈور خود قیصر روم کے ہاتھ میں تھی۔ اس بات کی اطلاع پاتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ اشداء علی الکفار عملی روپ دھارن کرنے کے لیے بیقرار ہونے لگا نتیجتاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بذات خود مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ لشکر معاویہ کا خیال تھا کہ دونوں فوجیں ساحل پر اتر کر لڑیں۔ لیکن قیصر نے اس تجویز کو ٹھکرادیا۔ پھر کیا تھا سطح سمندر پر ایک خوں ریز جنگ شروع ہو گئی اور جنگ زور پکڑتی

چلی گئی۔ یہاں تک کہ کشتوں کا خون ساحل تک بہتا ہوا دکھائی دیا۔ خون کی سرخی پانی پر غالب آ گئی۔ لاتعداد مارے گئے۔ کثیر تعداد میں مجاہدین نے بھی جام شہادت نوش فرمایا لیکن ان کے استقلال نے رومیوں کو فرار پر مجبور کر دیا۔ بالآخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اس فاتحانہ اقدام کا یہ اثر ہوا کہ قیصر روم کو پھر کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرنے کی جرأت اور اپنے بحری بیڑے پر بھروسہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسی بحری لڑائی کے بارے میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اول جيش من امتي يغزون البحر ميري امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان قد اوجبوا۔ سب نے اپنے اوپر جنت کو واجب کر لیا ہے۔

قد اوجبوا کی تشریح صاحب فتح الباری نے ان الفاظ میں کی ہے۔

قد اوجبوا۔ ای فعلوا فعلا وجبت لهم جنت کو واجب کر لیا۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے لیے جنت کو واجب کر لیا۔

اور سب سے پہلا بحری لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھا۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں

وكان امير ذلك الجيش معاوية بن ابي سفيان في خلافة عثمان۔ خلافت عثمانی میں ہی اس اول بحری لشکر کے قائد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اس جنگ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ساحل بحر روم پر اور انطاکیہ سے لے کر طرس تک فوجی آبادیاں قائم کیں۔ جس سے اسلامی قوت دفاع کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ بہر حال بحری بیڑے سے اسلام اور خلافت اسلامیہ کو جو تقویت حاصل ہوئی وہ اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن اس بحری بیڑے کے موجد اور لشکر اول کے قائد و امیر ہونے کے سبب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جنتی قرار پائے

کیونکہ رسالت کی زبان حق تر جہان نے اسی بحری بیڑے میں شرکت کرنے والوں پر جنت واجب فرمایا پھر کون ہے جو لشکر کے قائد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنتی نہ تسلیم کرے سوائے اُس کے جس کی تقدیر میں خود ہی جنت نہ ہو۔

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم جنگ صفین کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جنگ صفین :- جنگ جمل میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شرکت کے

متعلق ابوالیوب سختیانی نے ابن سیرین سے روایت کی ہے :

ماجت الفتنة واصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم عشرة الاف فما
خف نهامتهم مائة بل لم يبلغوا
ثلاثين فهذا يقوله محمد بن سيرين
مع ورع الباهر في منطقة ١

جب فتنہ برپا ہوا دنیا میں دس ہزار اصحاب رسول ﷺ موجود تھے مگر ان میں سے سو (۱۰۰) بھی فتنہ میں شریک نہ ہوئے بلکہ شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد میں تک بھی نہ پہنچی تھی۔ یہ محمد بن سیرین کا بیان ہے جو بات کہنے میں مشہور محتاط ہیں۔

یہی حال جنگ صفین کا بھی ہے۔ صحابہ کرام کی اکثریت غیر جانبدار رہی اسی لیے جب امام شعبہ سے کہا گیا کہ بعض لوگ الحکم کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک ہوئے تو قال شعبہ کذب واللہ ذاکرنا الحکم ما وجدنا شهد صفین من اهل بدر غیر خزیمہ بن ثابت ۲

امام شعبہ نے فرمایا کہ یہ زرا جھوٹ ہے۔ خدا کی قسم ہم نے خود الحکم سے اس بارے میں گفتگو کی ہے تو اہل بدر میں خزیمہ بن ثابت کے سوا اور کسی کو نہیں پایا۔

یہ نفی اس بات کو بتاتی ہے کہ فتنہ میں خواہ وہ بصورت جمل رہی ہو یا صفین صحابہ کرام بہت کم شریک ہوئے۔ صحابہ کی اکثریت غیر جانبدار، کنارہ کش اور فریقین سے الگ تھلگ رہی۔ مگر تکیر فریقین میں سے کسی کی نہیں کی۔

خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ سے حتی الامکان گریز کرتے رہے یہی وجہ تھی کہ جب اُن کو صفین کے موقع پر یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم کا ارادہ عالم اسلام پر حملہ کرنے کا ہے۔ وہ ہماری اندرونی کشمکش سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور اسی غرض سے وہ اپنی فوج منظم کر رہا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے 'شدت علی الکفر' سے بھرپور ایک اسلامی پروانہ روانہ کیا۔ جس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

واللہ لئن لم تنته وترجع بلادک یا
لعین لا صطلحن انا وابن عمی ولا
خرجنک من جمیع بلادک ولا ضیقن
علیک الارض بما رجیت۔
قسم ہے اللہ کی اے لعین اگر تو فوراً نہ رکا اور
اپنے علاقے کو واپس نہ ہوا تو اپنے چچا کے
بیٹے (علی) سے میں صلح کر لوں گا اور تجھے
تیرے ملک سے نکال دوں گا اور زمین کو اس
کی فراخی کے باوجود تیرے لئے تنگ
کر ڈالوں گا۔

یہ خط پڑھ کر اس پر اتنا رعب طاری ہوا کہ اُس نے فوجیں ہٹالیں۔ شاہ روم مرعوب کیوں نہ ہوتا جب کہ اقلیم سیاست اسلامیہ کا تاجدار غضبناک ہو گیا تھا۔

اسی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلامی جذبہ بے پایاں اور مذہبی حوصلہ ہائے بیکراں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ 'قصاص' جس کو انھوں نے اپنا مقصد حیات بنالیا تھا

اُسے وہ ثانوی درجہ دینے پر راضی ہو گئے۔ محض کفر شکنی کے لیے۔ تو پھر اگر اسی 'کفر شکن' کی لڑائی خیر شکن سے ہو جائے تو اسے بھائی بھائی کی جنگ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

دیکھئے تو سہی ایک طرف مخصوص بشارت جنت سے مبشر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں تو دوسری طرف اسی بشارت جنت سے مبشر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) ایک طرف ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے داماد ہیں تو دوسری طرف ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی۔ ایک طرف باب العلم اور مجتہد ہیں تو دوسری طرف فقیہ و مجتہد۔ ایک طرف منتخب امام ہے تو دوسری طرف منتخب ہونے والا امام، ایک طرف راشد و مرشد ہے تو دوسری طرف ہادی و مہدی، ایک طرف صابر و شاکر ہے تو دوسری طرف حلیم و بردبار۔ ایک طرف چادر تطہیر ہے تو دوسری طرف چادر نور۔ ایک طرف محفوظ عن الخطاء ہے تو دوسری طرف محفوظ عن العذاب۔ ایک طرف حضور انور ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں تو دوسری طرف حضور انور ﷺ کے حقیقی برادر نسبتی..... آخر اس جنگ کو کون سی جنگ کہا جائے سوائے اس کے کہ یہ ایک 'اجتہادی جنگ' تھی۔

قصاص کی اہمیت کے اسباب:-

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے کفار سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو کفار نے آخر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ و اسیر کر لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیلی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ یہ خبر سنتے ہی حضور ﷺ بیقرار دلوں کے قرار کے لیے اُٹھے اور قصاص عثمان کے لیے سارے صحابہ کو لے کر درخت کے نیچے اکٹھا کر کے بیعت لی۔ بیعت قصاص عجیب انداز میں لی جا رہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ کے متعلق فرمایا کہ 'یہ عثمان کا ہاتھ ہے' پھر اسی ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا 'یہ عثمان کی بیعت ہے'۔

جن صحابہ کی نظروں نے قصاص عثمانی کی بیعت کا یہ عظیم الشان نظارہ دیکھا ہوگا یا جنہوں نے بعد میں بالتفصیل سنا ہوگا وہ یہ سوچنے پر کیوں نہ مجبور ہوئے ہوں گے کہ آخر قصاص عثمانی کے لیے اتنے سارے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی خبر غلط پر۔

کیا دانائے غیب ﷺ کو نہ معلوم تھا کہ یہ خبر غلط ہے اور بیعت قصاص فعلی عبث ہے اگر انکارِ غیب دانی کے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے کوئی یہ کہہ بیٹھتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدائے عزوجل نے یہ کیوں فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (النح/۱۸)

اللہ راضی ہو گیا ان مومنین سے جبکہ اے نبی وہ تمہارے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت (قصاص) کر رہے تھے۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ
اللَّهَ يَذَّ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ (النح/۱۰)

اے رسول جو تمہاری بیعت کر رہے ہیں۔ تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ دست قدرت اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

حالانکہ چاہئے تو تھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر دربار ہو کر یہ مژدہ سناتے کہ 'یا رسول اللہ! آپ مطمئن رہیں اور مومنین مخلصین کو بھی اطمینان دلا دیں۔ بیعت قصاص کی ضرورت نہیں عثمان زندہ ہیں'۔

مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جبریل امین علیہ السلام رب العزت کی طرف سے آتے ضرور ہیں لیکن خبر قتل کی تردید کے لیے نہیں بلکہ طالبانِ قصاص کو مژدہ سنانے کے

لیے کہ لو اس بیعت کی وجہ سے 'اللہ تم سب سے راضی ہو گیا' اور یہ بیعت تم اللہ سے بھی کر رہے ہو۔ نیز تمہارے ہاتھوں پر دستِ قدرت ہے۔ خداوند قدوس کا خبر شہادت کی تردید نہ کرنا یا سلسلہ بیعت کو نہ روکنا بلکہ بیعتِ قصاص کے لیے تائید فرماتا اس بات کی تین دلیل قرار دی جاسکتی ہے کہ تمام اصحاب بیعت رضوان کی گردن میں 'قصاص عثمانی' کی بیعت کا فائدہ ہے اور ان تمام حضرات کو قصاص لینا ہے جب بھی ضرورت پڑے۔

مذکورہ آیات قرآنیہ سے قصاص عثمانی کی اہمیت سمجھ لینے کے بعد اس سوال کا جواب از خود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صحابہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار نہ تھے طالبِ قصاص کیوں ہوئے؟ صرف بیعتِ رضوان کی تکمیل کے لیے جس کا وعدہ وہ ید النبی ﷺ بلکہ ید اللہ پر کر چکے تھے اور غیر مبایعین صحابہ فقط اہمیتِ قصاص کی وجہ سے معین و مددگار رہے تاکہ اس کارِ عظیم میں تاخیر نہ ہونے پائے۔

مسئلہ قصاص کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی نے بھی اس کو ثانوی درجہ نہ دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو فیروز لولؤ ایرانی مجوسی نے شہید کیا تو یہ کوئی امر اتفاقی نہ تھا بلکہ ایک منظم سازش کے تحت یہ سب کچھ ہوا تھا۔ جب قاتلانِ عمر الفاروق جمع تھے تو کچھ الفاظ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے کانوں سے ٹکرائے۔ انھوں نے عبید اللہ ابن عمر کو ان باتوں سے آگاہ کیا۔ خبر میں اس امر کی وضاحت تھی کہ ہرمزان، قاتلِ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ عبید اللہ ابن عمر سنتے ہی غضب ناک ہو گئے اور ایک دن موقع پا کر اُسے قتل کر دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فوراً اُن کو اپنی گرفت میں لے لیا اور انھیں اس وقت تک نظر بند رکھا گیا جب تک خلافت کا معاملہ طے نہ ہو گیا۔ جیسے ہی حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

کی خلافت منعقد ہوئی۔ ویسے ہی سب سے پہلے 'مسئلہ قصاص' کو پیش کیا گیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شرعی فیصلہ سنا دیا۔ اس قصاص سے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی غیر معمولی دلچسپی لی تھی۔

ایک اور مسئلہ قصاص اس وقت سامنے آیا جب امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ چنانچہ ۴۰ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے قاتل علی مرتضیٰ کو سب سے پہلے قصاصاً قتل کر دیا۔

ان نظیروں سے معلوم ہوا کہ مسئلہ قصاص کی اولیت اور اس کی شرعی اہمیت ہر دور میں مسلم رہی۔ ناموس اسلام پر قربان ہونے والوں نے ہمیشہ قصاص کو دیگر مسائل پر مقدم رکھا تو پھر اس میں کون سی حیرت کی بات ہے کہ جلیل القدر صحابہ نے قصاص عثمانی کو ترجیح دی؟ امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل صرف 'قتل مومن' نہ تھا بلکہ اس قتل نے قصر خلافت کی دیواریں ہلا دیں۔ وقار خلافت مٹ رہا تھا ہیبت اسلامی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ کفار و مشرکین کی بزدلانہ زندگی میں تازگی اور نئی روح پیدا ہونے لگی تھی۔ مملکت اسلامیہ کا عظیم الشان امیر اپنی زندگی کی ضمانت نگاہ کفار میں کھونے والا تھا۔ مدینہ الرسول ﷺ فتنہ و فساد کی آماجگاہ ظالموں اور فاسقوں کا اڈہ بنتا جا رہا تھا۔ ہر نئے امیر خلیفہ و قائد کی زندگی معرض خطر میں تھی۔ مفسدین دن کی روشنی میں اپنے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے نہایت بیباکانہ انداز میں اکابر اسلام کو کوستے تھے، گالیاں دیتے تھے۔ دیار حبیب ﷺ کی جا بجا بھڑکتی ہوئی لگی تھی۔

اب اگر بعض صحابہ نے قتل مفسدین یا دوسرے الفاظ میں 'قتل قاتلان عثمان کا بیڑہ اٹھایا تو کیا بُرا کیا؟'

خلافت اسلامیہ کی ہیبت و جلالت مٹی میں مل جائے اور مسلمان کھڑا دیکھتا رہے۔ تو آج کا 'لفظی مسلمان' تو اُسے گوارا کر سکتا ہے مگر اس کی امید صحابہ کرام سے بھی رکھنا صرف فسادِ قلب ہے۔

طالبانِ قصاص کے سامنے 'قصاص عثمان' کی صرف شرعی حیثیت ہی نہ تھی بلکہ وہ اس کی سیاسی ضرورت کا بھی احساس شدت سے کر رہے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اب 'تظہیر لشکر' کی صرف ایک صورت ہے کہ قاتلوں اور باغیوں کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تاکہ قصرِ خلافت پھر سے مستحکم ہو جائے کسی نئے امیر المومنین کی طرف دشمنوں کو آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ پڑے۔ مدینۃ الرسول میں امن و شانتی کو دوام نصیب ہو جائے۔ دیارِ حبیب کے تقدس کا پرچم دُنیا میں نہایت والہانہ انداز میں لہرا دیا جائے۔

دوسری طرف بیعتِ الرضوان کی تکمیل بھی کر دی جائے تاکہ تاجدارِ دو عالم ﷺ بلکہ خدائے عز و جل سے کیا گیا وعدہ بھی پورا ہو جائے۔

اس بات پر یہ اعتراض کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص کیوں نہ لیا۔ جب کہ بیعت کنندگان میں وہ بھی تھے جو ابا عرض کروں گا کہ تاریخ کی کسی مردود روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قصاص سے انکار کیا ہو۔ اب یہ کہ قصاص فوراً لیا جائے یا تاخیر کی جائے۔ یہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ خلیفہ وقت کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ تقدیم و تاخیر سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور پھر فوری طور پر قصاص اسی وقت لیا جاسکتا ہے جب خلافت مستحکم اور پائیدار ہو۔ اُمتِ شخصِ واحد پر مجتمع ہو چکی ہو۔ اب جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت غیر مستحکم تھی تو پھر اس صورت میں 'تاخیر قصاص' محلِ اعتراض ہی نہیں۔

اگر خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ استحکام اور بیعت خلافت کے لیے 'مَدْفِنِ رَسُولِ ﷺ' کو مؤخر کر سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی استحکام اور بیعت خلافت کے لیے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ 'قصاص عثمان' کو مؤخر نہ کریں؟

جنگ جمل ہو یا جنگ صفین، دونوں کی بنیاد صرف تقدیم قصاص اور تاخیر قصاص ہے۔ اسی لیے اصحاب علم ان جنگوں کو اجتہادی لڑائی کہتے ہیں۔

رہا سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا استحکام خلافت پر زور دینا۔ صدیقی طرزِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ، ملت کی شیرازہ بندی کے لیے انتہائی ضروری تھا۔ اسی لیے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل، اندازِ فکر اور عملی سرگرمی ہر حیثیت سے صحیح ہے۔ چنانچہ علمائے حق نے ایک نہایت معتدل، جامع اور واقعہ کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ طالبانِ قصاص اپنے جائز اور ضروری مطالبے کی بنیاد پر 'اہل حق' اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُن حضرات کے مقابلے میں اپنی صحیح رائے، دُرست اندازِ فکر اور مستحسن اقدامات کی بنیاد پر 'اہل حق' ہیں۔ یہی وہ معتدل فیصلہ ہے جس پر نصوص شرعیہ اور ائمہ اسلام کے ارشادات عالیہ شاہدِ عدل ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظر کی ترجمانی حضرت سرکار بغداد پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :

اما قتالہ رضی اللہ عنہ بطلحة والزبیر	لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضراتِ طلحہ،
عائشة ومعاویہ فقد نص الامام احمد	زبیر، عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم سے جنگ
رحمہ اللہ علی الامساک عن ذلك	فرمانا تو اس پر امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے
	خوشہ چینی سے باز رہنے کی تصریح فرمادی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں :

قال الكمال بن شريف وليس المراد
بما شجر بين علي ومعاوية المنازعة
في الامارة كما توهمه بعضهم انما
المنازعة كانت بسبب تسلم قتله
عثمان رضي الله عنه الى عشر
ليقصو امهم ۱

کمال بن شریف نے کہا حضرات علی و معاویہ
کے درمیان جو نزاع تھی اس کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ امارت میں نزاع تھی جیسا کہ بعض
لوگوں کو اس کا وہم ہے۔ نزاع صرف اس
وجہ سے تھی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان
کے خاندان کو (حضرت علی) سپرد کریں تاکہ
یہ حضرات قاتلین سے قصاص لیں۔

مورخین کا جواب دیتے ہوئے امام موصوف فرماتے ہیں :

ولا التفات الى ما يذكره بعض اهل
السيرة فان ذلك لا يصح وان صح فله
تاويل صحيح ۲

بعض اہل سیر جن باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں
وہ صحیح نہیں اور بالفرض صحت ثابت ہو جائے تو
صحیح تاویل کی جائے گی۔

گویا اہل سیر کا محض نقل کر دینا صحت روایت کی دلیل نہیں۔ نیز ان کی ساری
باتیں قابل قبول نہیں کیونکہ ان کی بعض مرویات ساقط الاعتبار ہیں۔ لہذا تاریخ و سیر کی بنیاد
پر طعن و اعتراض کرنا سخت محرومی کی بات ہے۔
اگر کوئی اپنی پیش کردہ تاریخی روایت کی صحت کو ثابت کر لیتا ہے جب بھی وہ روایت من
وعن مقبول نہ ہوگی بلکہ صحیح تاویل کی جائے گی۔ (فہ تاولیل صحیح)

علامہ ابن حجر صواعق محرقة میں فرماتے ہیں :

ومن اعتقاد اهل السنة والجماعة انما جرى بين معاوية وعلى رضي الله عنهما من الحروب فلم يكن لمنازعة معاوية لعلی فی الخلافة

یہ اعتقاد اہل سنت والجماعت میں سے ہے کہ جو کچھ حضرات علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین نزاع تھی وہ حضرت معاویہ کی حضرت علی کے لیے خلافت میں نہ تھی۔

حضرت پیران پیر دستگیر علیہ الرحمہ غیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں :

ومن قاتله من معاوية وطلحه والزبير طلبوا ثا عثمان خليفة حق المقتول ظلماً والذين قتلوه كانوا فی عسكر علی فكل ذهب الی تاویل حسن

اور جن لوگوں نے حضرت علی سے مقاتلہ کیا وہ حضرات معاویہ طلحہ اور زبیر تھے ان حضرات نے خلیفہ برحق حضرت عثمان جو ظلماً شہید کئے گئے تھے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کیا اور وہ قاتلین لشکر علی میں تھے۔ پس ہر ایک تاویل حسن کی طرف گیا۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

’یہ جنگیں امر خلافت کی وجہ سے نہ تھیں، یعنی یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طالب خلافت نہ تھے اور امام حق سے باغی نہ تھے بلکہ یہ جنگیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے سپردگی کے مطالبہ پر یا حضرت مولائے کائنات کے ان قاتلین سے ترک قصاص پر ہوئیں۔‘ (میانہ الصحابہ ص ۲۳)

ائمہ کرام اور علمائے اسلام کے مذکورہ بالا ارشادات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ جنگ جمل اور صفین ’جبنی علی الاجتهاد‘ تھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زیادہ سے زیادہ

’مخطی فی الاجتهاد‘ کہا جاسکتا ہے اور خطاء فی الاجتهاد بالاتفاق ایک نیکی ہے پھر الزام بغاوت چہ معنی دارد۔

مفتی صاحب: اہل سنت والجماعت کا ایک مرکزی ادارہ ہے جس کے بانی شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت امام العارفین شبیہ غوث الثقلین محبوب ربانی سید شاہ علی حسین اشرفی میاں جیلانی قدس سرہ ہیں۔ اس ادارہ کے فیضان سے ہندوستان کا چپہ چپہ فیضیاب ہو رہا ہے اور مجھ تشنہ لب کو بھی اول اول اسی ادارے نے سیراب کیا۔ اس مادر علمی کا نام ہے ’مصابح العلوم اشرفیہ‘ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی۔

یہاں ایک شاندار دارالافتاء ہے جس کی مسند پر ’حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی‘ رونق افروز ہیں۔ کتب فقہ کے ساتھ کتب نحو سے بھی غیر معمولی شغف ہے ’درس نظامیہ‘ موصوف کی ابتداء و انتہاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب تاریخ سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ مفتی صاحب کا تعارف میں اس لیے کر رہا ہوں تاکہ آئندہ صفحات سے متاثر ہو کر آپ اُن کی جلالت علمی سے مایوس نہ ہوں۔

جب میں مبارک پور کے اس مرکزی ادارے میں زیر تعلیم تھا تو میری نگاہ سے محمود احمد عباسی کی کتاب ’خلافت معاویہ و یزید‘ گذری۔ پڑھنے کے بعد یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دیکھوں اس کتاب کا علمائے حق نے کیا جواب دیا ہے؟ اس سلسلے میں پہلی کتاب جو پڑھنے کو ملی اس کا نام ہے ’کربلا کا مسافر‘ علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی مدیر پاسبان نے مختلف مضامین کو ترتیب دے کر اسے ’حسین نمبر‘ کے طور پر شائع کیا ہے۔ سائز کتابی ہے۔ اسی میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے ’خلافت علی عقائد کی روشنی میں‘۔

مفتی صاحب کا مضمون پڑھتے وقت میرے دل و دماغ کو کئی بار دھچکا لگا، بڑے مبر

وضبط سے مضمون پورا پڑتا گیا۔ پھر ایک عرصہ تک وہ مضمون میرے لیے سوالیہ نشان بنا رہا۔ بالآخر مجبور ہو کر میں نے حل تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مجھے اس سے بہتر کوئی صورت نظر نہ آئی کہ مضمون سمجھنے کے لیے خود مضمون نگار کو ہی مخاطب کیا جائے، چنانچہ میں نے ایک رجسٹری حضرت مولانا عبدالمنان صاحب اعظمی مفتی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے نام روانہ کی جو حسب ذیل تھی۔

گرامی قدر حضرت مفتی صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ایک مضمون 'خلافت علی عقیقہ کی روشنی میں'۔ حسین نمبر یعنی کر بلا کا مسافر، میری نظر سے گذرا۔ آپ نے صفحہ ۸۵ پچاسی پر سرالعالمین للفرالی ص ۱۱۱-۱۱۲ سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

'سب سے پہلا فیصلہ جو قیامت کے دن ہوگا۔ حضرت علی و معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوگا۔ تو خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ بقیہ تحت مشیت الہی ہوں گے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔ عمار (رضی اللہ عنہ) تجھے باغی گروہ قتل کرے گا تو امام باغی نہیں ہو سکتا۔ پس امامت دو آدمیوں کے لیے نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ربوبیت دو کے لیے نہیں۔'

(پھر آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں)

'اس عبارت میں کس وضاحت سے امام غزالی فرماتے ہیں بیعت اولیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی اور وہی حق ہے جیسا کہ حکم رسول ہے۔ یوں ہی حدیث رسول ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ (باغی

کے (جو معنی بھی ہوں) پس جن لوگوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا امام
حق ہوں گے؟

- ۱- آپ کا یہ انداز فکر اور طرز استدلال غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں:
- ۱- اس مقام پر آپ نے اپنا ماخذ سیر العالمین کو قرار دیا ہے اور یہ کتاب اتنی ہی غیر
معتبر ہے جتنی شیعوں اور دشمنان اہل سنت کی دوسری کتابیں ہیں۔
- ۲- سیر العالمین کو حجتہ الاسلام محمد غزالی کی تصنیف باور کرانا خلاف تحقیق ہے۔ چنانچہ
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو بقول حافظ ملت (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ) خاتم
المحدثین ہیں، اپنی لا جواب کتاب 'تحدۃ اثنا عشریہ' میں شیعوں کا کید بیان کرتے ہوئے
ارشاد فرماتے ہیں۔

'ایک سو ا کید یہ ہے کہ ایسی کتاب جس میں صحابہ پر لعن و طعن اور مذہب اہل سنت کا بطلان
ہو تصنیف کرتے ہیں اور اس کو اہل سنت کے کسی جلیل القدر عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں'

مثلاً کتاب 'سیر العالمین' کو امام محمد غزالی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح اور کئی کتابیں اس
قسم کی ترتیب دے کر یہی حرکت انہوں نے کی ہے۔ (تحدۃ اثنا عشریہ (اردو) ص ۶۰-۶۱)

وہ کتاب جو مکائد شیعہ اور مفسدہ نفس کا نتیجہ اور شرہ ہو وہ اہل سنت کے کسی جلیل
القدر امام کی طرف منسوب کرنے سے کیا لائق حجت ہو سکتی ہے؟

- ۳- انتساب غلط سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی اگر غور کیا جائے تو بھی آپ کا پیش
کردہ تصور تاریخی حقائق کے خلاف اور مسلمات اہل سنت سے متصادم ہے درج کردہ
اقتباس میں تین باتیں ہیں۔

- (i) قیامت کے دن مقدمہ علی و معاویہ بارگاہ الہ میں پیش کیا جائے گا رب العزت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کر کے بقیہ حضرات کو تحتِ مشیت رکھے گا۔
- (ii) حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما یک وقت دعویٰ ارخلاف تھے۔
- (iii) گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے۔ لہذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی ہوئے۔

پہلی شق کا جواب :-

حضرت امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں :

وما الحرب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهته اعتقدت تصويب انفسها بسببها وكلهم عدول ومتاولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلك احدا منهم من العدالة لانهم مجتهدون۔

یعنی ان جنگوں میں ہر گروہ شبہ میں رہا۔ اپنے آپ کو حق و صائب سمجھتا رہا۔ وہ سب عادل اور جنگوں میں متاول ہیں اس بنیاد پر عدالت سے خارج نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ سب مجتہد ہیں۔

اس فقہ اسلامی کے اس ضابطے سے غالباً آپ ناواقف نہ ہوں گے کہ اجتہادی غلطی کرنے والے کی تحلیل و تفقیق جائز نہیں ہے (والمخطی فی الاجتهاد لا یضلل ویفسق علی ما علیہ الاعتماد)۔

اس صورتِ صحیح کی روشنی میں جواب دیا جائے کہ

- ۱- کیا اجتہادات مجتہدین کو بصورتِ مقدمہ بارگاہ الہ میں پیش کیا جائے گا۔
- ۲- کیا کسی مجتہد کی خطا موجبِ گناہ ہے۔

- ۳- کیا وہ طبقہ جو کلہم عدول اور 'کالنجوم' ہے، سے کسی قسم کا مواخذہ ہوگا؟
- ۴- یتربصن بانفسہن ثلاثہ قروہ کے تحت جو امام اعظم اور امام شافعی کا اختلاف ہے اور جس کے نتیجہ میں حضرت امام شافعی اور اسی کے برعکس جو چیز امام اعظم کے نزدیک حلال ہے وہ امام شافعی کے نزدیک حرام تو کیا حرام و حلال کا یہ جھگڑا بھی بارگاہ الہ میں پیش ہوگا؟ آخر اس میں ڈگری کس کی ہوگی اور کون تحت مشیت الہی ہوگا؟
- ۵- اگر اختلافات اُمتِ رحمت اور اجتہادات مجتہدین ہر طرح کے مواخذہ سے محفوظ ہے تو پھر اسلام کے ان دو مجتہدین علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے اختلاف اجتہاد کو کون سی خصوصیت حاصل ہے کہ اتنے اہتمام سے بارگاہ الہ میں پیش ہو؟
- ۶- کیا خطائے اجتہادی ٹیکی نہیں۔ اگر ٹیکی ہے تو پھر قیامت میں کسی مقدمہ کی ترتیب کی کیا ضرورت ہے؟
- ۷- کہیں ایسا تو نہیں کہ سیر العالمین کے غالی مصنف نے مجتہدین اہل سنت کی توہین کے لیے یہ سب باتیں تراشیں جسے آپ نے بھی بلا تحقیق و تنقید پھر سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا۔

دوسری شق کا جواب :-

کر بلا کا مسافر کے صفحہ ۱۵۶ پر ہی حضرت مولانا محمد شفیع صاحب شیخ الادب دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور آپ کے اس خیال کی تردید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خلافت سے اختلاف نہیں تھا۔ مولائے کائنات کے مقابلہ میں اپنے کو کسی طرح مستحق خلافت نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے اختلاف اور بیعت نہ کرنے کی بنیاد دوسری وجہ تھی۔'

مفتی آگرہ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب علیہ الرحمہ 'میانہ الصحابہ' میں صاف صاف فرماتے ہیں۔

'یہ جنگیں امر خلافت کی وجہ سے نہ تھیں یعنی یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طالب خلافت نہ تھے'۔

تیسری شق کا جواب :-

آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس حدیث کی روشنی میں باغی بنانے کی کوشش کی ہے وہ حدیث یہ ہے تَقْتُلُهُ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَةُ عَمَارٌ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ وَيَدْعُونَهُم إِلَى النَّارِ۔

اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے مصداق ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک زبردست اعتراض ہوگا کہ معاویہ اللہ انھوں نے قرآن کی خلاف ورزی کی۔ ارشاد ربانی ہے : ﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَفَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ﴾ (الحجرات/۹)

جب طالبانِ قصاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک بار مصالحت ہوگئی اور اس صلح کے بعد جمل اور صفین کی جنگیں ہوئیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو صفحہ ہستی سے کیوں نہیں ہٹا دیا؟

حضور والا ! اگر 'قتل عمار' کے سبب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا قطعی اور یقینی ہوتا تو بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا مقاتلہ کرتے جو یا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مٹا دیتا یا ارشاد ربانی کے مطابق 'إِلَى أَمْرِ اللَّهِ' جھکا دیتا۔

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ الی امرا اللہ جھکانے کے بجائے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر رہے ہیں۔ سلسلہ جنگ کو ختم کر رہے ہیں۔ کیا باغی سے صلح شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کر کے خود ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اُن صحابہ کرام جو اس حدیث کے راوی ہیں کا موقف بھی سمجھتے چلیں۔

اسمائے راویان حدیث :-

- ۱- حضرت عثمان ۲- حضرت حذیفہ ۳- حضرت ابورافع ۴- حضرت ابن مسعود
 - ۵- حضرت ابوسعید خدری ۶- حضرت ابوہریرہ ۷- حضرت ام سلمہ ۸- حضرت قیس بن سعد
 - ۹- حضرت ابویوب ۱۰- حضرت ابوقادہ ۱۱- حضرت خزیمہ بن ثابت
 - ۱۲- حضرت عمار ۱۳- حضرت عمرو بن عاص ۱۴- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص
 - ۱۵- حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
- ان مذکورہ بالا پندرہ راویان حدیث میں واقعہ صفین سے پہلے ہی چار حضرات واصل بحق ہو چکے تھے۔

- ۱- حضرت عثمان ۲- حضرت حذیفہ ۳- حضرت ابورافع ۴- حضرت ابن مسعود۔
- وہ حضرات جو جنگ صفین میں غیر جانبدار تھے۔ وہ پانچ ہیں :
- ۱- حضرت ابوسعید خدری ۲- حضرت ابوہریرہ ۳- حضرت ام سلمہ ۴- حضرت ابویوب انصاری ۵- حضرت قیس بن سعد۔
- وہ حضرات جو جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ تین ہیں :

۱- حضرت عمار ۲- حضرت ابوقادہ ۳- حضرت خزیمہ بن ثابت (رضی اللہ عنہم)

وہ حضرات جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ بھی تین ہیں:

۱- حضرت عمرو بن العاص ۲- حضرت جریر (سابق گورنر علی) ۳- حضرت

عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم)

اس کا اجمالی نقشہ یہ ہوا کہ چار حضرات وفات یافتہ تھے حضرات غیر جانبدار، تین

حضرات مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور تین حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

یہ تھے پندرہ راویان حدیث۔

الحاصل ان پندرہ راویان حدیث میں سے جتنی تعداد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے حمایتی تھے اتنی ہی تعداد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی حمایتی تھے اور اکثریت

نے دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہ دیا۔

اگر راویان حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا مصداق سمجھتے تو قطعاً الشکر

معاویہ میں ایک بھی راوی حدیث ایک لمحے کے لیے بھی نہ ٹھہرتا بلکہ مخالفت کرتا۔ راویان

حدیث کا غیر جانبدار رہتا بلکہ بعض حضرات کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدد کرنا اس بات کا

بین ثبوت ہے کہ الفاظ حدیث بالکل صحیح لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی بھی درجہ میں اس

کے مصداق نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اصحاب رسول کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اصحاب

رسول حدیث تو بڑے مزے میں بیان کرتے ہیں مگر اس کے معنی و مصداق کو سمجھ نہیں پاتے۔

نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

ہم یہ بات بالجزم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ خود حدیث میں قاتل عمار کی ایک صفت ایسی

بیان کی گئی ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں نہیں پائی جاتی اور وہ یہ ہے۔ ویلے عونہم

الی النار یعنی وہ عمار کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔

تاریخ کی کسی مردود اور ساقط الاعتبار روایت سے بھی نہیں ثابت کیا جاسکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کبھی بھولے سے بھی اپنی طرف آنے کی دعوت دی ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف اسی علم کو بلند کیا تھا جس کو اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اٹھایا تھا۔ کیا جناب سیدہ جنگ جمل میں دعوت الی النار دے رہی تھیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہی طلب قصاص جنگ صفین میں دعوت الی النار کیونکر ہو سکتا ہے۔

لہذا اس حدیث کا مصداق وہی اور صرف وہی گروہ ہو سکتا ہے جو قاتل بھی ہو اور داعی الی النار بھی۔ وہ گروہ قاتل عمار ہرگز نہیں ہو سکتا جو داعی الی النار نہ ہو کیونکہ باغی گروہ کی یہ صفت نبی جانِ رحمت نے بیان فرمائی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قاتلانِ عثمان کا گروہ باغی تھا اور مصر میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہی گروہ دعوت الی النار دے رہا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۴۶ نقیض ایڈیشن کراچی) اور یہی باغی گروہ جنگ صفین میں بھی موجود تھا۔ ممکن ہے دانائے غیوب علیہ السلام نے اسی گروہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہو کہ عمار (رضی اللہ عنہ) کو باغیوں یعنی سبائیوں کی ایک ٹولی قتل کرے گی عمار (رضی اللہ عنہ) تو انھیں اللہ کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ عمار (رضی اللہ عنہ) کو جہنم کی دعوت دیتے ہوں گے۔

قاتلانِ عثمان کا یہی نقطہ نظر تھا کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو لڑائے رکھو۔ اس لیے کہ جب تک ان میں پنچہ آزمائی ہوتی رہے گی۔ تب تک مسئلہ قصاص کھٹائی میں پڑا رہے گا اور ہماری جانیں محفوظ رہیں گی۔

قاتلِ عمار کا باغی ہونا مشہور ہی تھا۔ بہت ممکن ہے کہ قاتلانِ عثمان نے یہ سوچا ہو کہ عمار (رضی اللہ عنہ) سامنے ہیں۔ ہر فرد معروف جنگ ہے۔ کون کس کو دیکھ رہا ہے۔ عمار (رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ بالاعلان جنگ میں ہیں اگر ہم انہیں قتل کر دیں تو دنیا یہ کہے گی کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے مارا، معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے مارا۔

مگر قربان جائے اس نبی غیبِ داں ﷺ پر جس نے گویا جھانک کر دیکھ لیا کہ صفین میں صرف گروہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) ہی تو نہیں۔ قاتلانِ عثمان کا گروہ بھی تو ہے۔ اور یہی باغی گروہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کو لڑانے اور اپنی جان بچانے کے لیے عمار (رضی اللہ عنہ) کو شہید کرے گا اور یہی وہ گروہ ہے جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دعوت الی النار دے گا۔ جیسا کہ تاریخ ابن خلدون اور طبری میں بالتفصیل ہے اسی لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا :

”تقتله الفئة الباغية عمار يدعوهم الى الله ويدعونهم الى النار“۔

اس کے علاوہ اگر حدیث کی وضاحت حدیث سے کر دی جائے تو پھر انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی۔ وفاء الوفا میں ذیل حدیث کو بزاز وغیرہ کے حوالے سے یوں بیان کیا گیا :
”يا عمار لا يقتلك اصحابي تقتلك الفئة الباغية“۔ اس نبوی ارشاد کی روشنی میں ہم صرف اسی کو باغی گروہ کہہ سکتے ہیں جس میں بہر صورت دو باتیں پائی جاتی ہوں۔

۱۔ اس کا صحابی نہ ہونا

۲۔ قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ داعی الی النار ہونا۔

اور یہی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سید الانعواث والاقطاب حضور امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ان دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی نہیں جاتی۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ علیہ الرحمہ اپنی کتاب صیانتہ الصحابہ صفحہ ۲۷ پر رقم طراز ہیں۔

’الحمد للہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت ہو گیا اور محققین کے نزدیک اُن کا باغی و فاسق نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔‘

اب حضور والا سے فقط اتنی گزارش ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی لکھ کر محققین کا مسلک اور راستہ کیوں چھوڑا گیا؟

صدر مفتی دارالعلوم اشرفیہ اور پاسبان ملت علامہ نظامی صاحب سے بادل سوال کرنا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے والی کتاب ستر العالمین کی اشاعت کیوں کی؟ آپ نے وہ مضمون جو رافضی کی کتاب سے ماخوذ تھا امام غزالی کی کتاب سمجھ کر سہواً شائع کیا ہے تو فوری طور پر رجوع کیجئے تاکہ شرعی تقاضے پورے ہوں۔

امید قوی ہے کہ حضور والا تفصیلی جواب مرحمت فرما کر میرے شکوک و شبہات کو دور فرمائیں گے۔

بہر حال آپ کے بحر کرم سے امید قوی ہے کہ مجھ جیسے تشنہ علم کی اس جسارت علمی کو بنظر حقارت نہ دیکھ کر ہمت افزائی فرمائیں گے کیونکہ میں بہر حال طالب علم اور آپ میرے استاذ محترم ہیں۔ ساتھ کالغافہ جواب کے لیے ہے۔

امید ہے مزاج عالی بخیر ہوگا۔ فقط

طالب دعا

سید محمد ہاشمی اشرفی

جامعہ عربیہ، محلہ خیر آباد، سلطان پور

مذکورہ بالا خط رجسٹری کی صورت میں روانہ کر دینے کے بعد میں جواب کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ پندرہ دن گزرے، بیس دن گزرے، ایک ماہ بلکہ دو ماہ گزر گئے پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ بالآخر مجبور ہو کر میں نے یہ خط روانہ کیا۔

گرامی قدر جناب مفتی صاحب

السلام علیکم

ایک استفتا آج سے تقریباً دو ماہ قبل بصورت رجسٹری آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس کی رسید میرے پاس ہے پھر بھی اب تک جواب سے محروم ہوں۔
براہ کرم ایک پوسٹ کارڈ ہی کے ذریعہ اتنا تو تحریر فرما دیجئے کہ آیا آپ جواب لکھ رہے ہیں یا نہیں؟

تمام اساتذہ کرام کی بارگاہ عالیہ میں میری جانب سے سلام عرض کر دیجئے گا امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ فقط والسلام مع الاحترام

طالب دعا

سید محمد ہاشمی اشرفی

جامعہ عربیہ، محلہ خیر آباد، سلطان پور

مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۶۹ء

اس کے سترہ دن بعد پھر میں نے ایک اور خط روانہ کیا کہ شاید جواب اثبات و نفی ہی میں دے دیں۔ تیسرے خط کے الفاظ یہ تھے۔

حضرت اقدس - سلام رحمت

مجھے اپنے استفتے کا جواب اب تک موصول نہ ہوا۔ جب کہ روانہ کیئے ہوئے تقریباً دو

ماہ ہو رہے ہیں۔ کیا آپ جواب نہ دیں گے۔ تحریر فرمائیں۔ تاکہ میں انتظار کی شدید تلخیوں سے خود کو محفوظ کر لوں۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

فقط

طالب دعا

سید محمد ہاشمی اشرفی

جامعہ عربیہ، محلہ خیر آباد، سلطان پور

مورخہ ۴ اکتوبر

مفتی صاحب نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پورے اکیس سال گزر چکے ہیں۔ پھر بھی جواب کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے ہیں۔ کیا میرا سوال لائق التفات نہ تھا؟ اب اس کا جواب ناظرین کو دینا ہے۔

خدا گواہ ہے کہ میں اس خط و کتاب کو شائع نہ کرتا۔ مگر میں مجبور ہوں اس لیے کہ مفتی صاحب کی قابل گرفت بات مطبوعہ ہے۔ آج ہزاروں نگاہیں اس پر پڑتی ہیں۔ بیشمار زبانیں ان باتوں کو دہراتی ہیں اور دشمنان اہل سنت کے پرچار کے لیے ایک نایاب مسالہ بنا ہوا ہے۔

کسی سوال کے جواب کے لیے چھ مہینہ بیت جائے بہت ہے چہ جائے کہ اکیس سال گزر جائے اور جواب نہ دیا جائے اس لیے مایوس ہو کر ناظرین کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرنا پڑا۔ تاکہ حق و ناحق واضح ہو جائے۔

مدیر النجم :-

مدیر النجم سے میری مراد مولانا عبدالشکور کاکوری کی ذات ہے، النجم کے آپ ایڈیٹر تھے۔ ان کا مخصوص حلقہ ان کو غیر شعوری طور پر امام اہل سنت کہتا تھا۔ مولانا کاکوری نے تو غضب ڈھادیا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'باغی' لکھا اور اس کے فوراً بعد خاطمی بھی لکھاتا کہ بغاوت میں کوئی شبہ نہ کرے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب 'سیرت خلفائے راشدین'۔ اس کا اعتراف مرزا عابد حسین سابق شیعہ نے اپنی کتاب 'مدبر اعظم' میں کیا ہے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور خاطمی لکھ کر مولانا عبدالشکور صاحب کا اتباع کیا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور شاگرد ہیں اپنی معرکہ الآراء کتاب 'بہار شریعت' میں فرماتے ہیں :

'گر وہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فتنہ باغیہ آیا ہے مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد، معاند و سرکش ہو گیا ہے اور دشنام سمجھا جاتا ہے۔ اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں'۔ (بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۷۶)

عرف شرع کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں :

عرف شرع میں بغاوت مطلقاً بمقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کے ان الفاظ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عرف شرع میں بغاوت صرف امام برحق کے مقابلہ میں آنے کو کہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں، امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مولائے مومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو امام برحق تھے کے مقابلہ میں آئے لیکن عرف عام میں بغاوت، فساد اور سرکشی کو کہتے ہیں۔ لہذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہنا، ان کو مفسد، معاند اور سرکش قرار دینا ہے۔ جسے کوئی نام نہاد

’امام اہل سنت‘ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اہل سنت و جماعت اسے کسی بھی درجے میں گوارہ نہیں کر سکتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حسن کے بعد امام برحق ہوئے تو جو مسلمانوں کے امام برحق کو باغی کہے اُس کی امامت کو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ بابا خلیل داس کو جواب دیتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں:

’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امام حق، خلیفہ صدق اور ان کے باغی و ظالم نہ

ہونے کے متعلق مقدمہ میں زیر عنوان نمبر ۴ مفصل بحث کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ

کیا جائے۔ (میانہ الصحابہ ص ۶۸)

اس سوال کے جواب میں کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگ صفین کی

بنیاد پر باغی یا منافق کہا جاسکتا ہے؟ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند کچھ چھوٹی

نالیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں:

’ہر صحابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ (النساء/۹۵)

فرما کر جنت کا وعدہ فرمایا اس کے سوا منافق یا باغی کہنا تمہارا بکنا ہے۔ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پر سترہ بزرگان دین کی شہادتیں ہیں۔

حنفی فقہ کی مستند کتاب ’فتاویٰ برہنہ‘ میں ہے:

پیغمبر علیہ السلام عمار را فرمود
تقتلک الفئة الباغية اما ائمہ جواب دادہ
اند کہ باغی نام ”خاطی در اجتہاد
نیست و اینجا بمعنی طلب است یعنی
القوم المطالبة لدم عثمان رضی اللہ
عنه۔

پیغمبر علیہ السلام نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ
سے فرمایا تھا کہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا تو
اس کا ائمہ کرام نے جواب دیا ہے کہ اجتہادی
غلطی کرنے والے کو باغی نہیں کہتے ہیں اس
بمقام پر باغی بمعنی طالب ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے خیالات ملاحظہ ہوں:
واما السلف کابی حنیفة و مالک
واحمد و غیرہم فیقولون لم یوجد
شرط قتال الطائفة الباغية
(نقادی برہنہ جلد اول ص ۱۶)

لیکن اسلاف کرام مثل امام ابو حنیفہ، امام
مالک اور امام احمد بن حنبل وغیرہم فرماتے
ہیں (ان جنگوں میں) وہ شرط نہیں پائی جاتی جو
باغی گروہ سے قتال کے لیے ہے۔

الحاصل زبان عربی میں عرف شرع کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کو باغی یا ان کے لشکر کو ’الفئة الباغية‘ جہاں کہیں لکھا اور کہا گیا ہے وہاں باغی بمعنی طالب ہے
۔ کیونکہ اجتہادی غلطی کرنے والے کو باغی یا خاطی نہیں کہا جاسکتا۔

اور اگر خاطی کہنا، اظہار حقیقت کے لیے ضروری ہو تو اردو میں ’خطائے اجتہادی‘ فارسی
میں ’خطا در اجتہاد‘ اور عربی میں اسی بات کو ’خطائی الاجتہاد‘ کہیں گے۔ کسی مہتمم بالشان
خلیفہ اور امام کو محض خاطی اور غلط کار کہنا سراسر احتیاط و ادب کے خلاف ہے۔

میں یہ بات بادب سنوں کے لیے لکھ رہا ہوں جو رسول اعظم ﷺ کا ادب نہ کریں اُن
سے یہ امید رکھنا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ادب کریں گے سراسر سادہ لوحی ہے۔

یہ بات بجائے خود قابل غور و فکر ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قاتلانِ عثمان نے حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کو لڑانے کے لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہو اس لیے کہ قاتلوں کا گروہ باغی تھا داعی الی النار تھا اور میدان صفین میں موجود بھی تھا۔

مشاجرت کے بارے میں صحیح ترین نظریہ:-

علامہ ابن خلدون 'المقدمہ' میں فرماتے ہیں:

'در اصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا۔ اسی بناء پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے۔ مانا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کسی باطل ارادے سے اُن کے مقابلے میں نہیں آئے۔ اُن کے پیش نظر بھی حق جوئی تھی۔ گو انھوں نے حق کے پانے میں خطا کی۔ اسی طرح مسلمان اپنے اپنے نقطہ نظر سے حق پر جیسے رہے باطل طلبی کسی میں بھی نہ تھی۔'

مزید فرماتے ہیں:

'ان بزرگوں کے اختلافات تمام تر دینی امور میں تھے۔ نہ کہ دنیوی معاملات میں اور اولہ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلاف رونما ہوئے اور مجتہدوں میں جب اجتہادی اختلاف پیدا ہوا اور ہم یہ مانیں کہ مسائل اجتہادیہ میں حق بہر حال ایک ہی ہوگا۔ اب جن مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ خطی اور چونکہ حق کی جہت متعین نہیں ہے اس لیے اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا اور کسی خاطی مجتہد کو بالیقین خطی قرار نہیں دیا جاسکے گا اور کوئی مجتہد بھی گنہگار اور قابل گرفت نہ ہوگا۔ اجماع امت اسی پر ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہد حق پر ہوتے ہیں۔'

اور ہر مجتہد باصواب ہوتا ہے تو پھر خطا اور گناہ کی نسبت کسی طرف بھی نہیں کی جاسکتی۔

مزید فرماتے ہیں:

’حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ قتل عثمان کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اس لیے بیعت علی میں حاضر نہ ہو سکے اور جو لوگ حاضر تھے اُن میں کچھ نے بیعت کی اور کچھ نے توقف کیا۔ یہاں تک کہ لوگ مجتمع ہو کر کسی امام پر اتحاد و اتفاق کریں۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ ابن سلام، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت ابوسعید خدری، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت کعب بن مالک، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت فضالہ بن عبد رضی اللہ عنہم اور ان حضرات جیسے دوسرے اکابر صحابہ اور جو لوگ مختلف شہروں میں تھے وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے ہٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص میں شریک ہوئے اور ان حضرات نے معاملہ کو الجھا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ کسی کو بھی والی بنانے کے لیے مسلمانوں کے درمیان شوریٰ منعقد ہو جائے۔ اُن لوگوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قاتلین عثمان سے سکوت کرنے کو اُن کی طرف نرمی کرنے کا گمان کیا۔ نعوذ باللہ غفلت اور دیر کا گمان نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھلم کھلا الزام دیا تو اسے فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دم عثمان پر

سکوت ہی کی وجہ سے دیا۔

اس کے بعد یہ حضرات مختلف الرائے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ اُن کی بیعت منعقد ہو چکی ہے اور میری خلافت پر اُن لوگوں نے مجتمع ہونے کی وجہ سے جو وطن صحابہ مدینہ الرسول میں موجود تھے میری بیعت اُن لوگوں پر لازم آگئی جو اس سے رہ گئے ہیں اور دم عثمان کے مطالبے کو لوگوں کے اجتماع اور اتفاق کلمہ تک کے معرض التواء میں رکھ دیا۔

دوسرے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت منعقد نہیں ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں اور قلیل لوگ بیعت علی میں شریک ہوئے ہیں اور بیعت کا انعقاد اہل حل و عقد کے اتفاق پر ہوتا ہے اس کے علاوہ لوگوں کے منعقد کرنے سے یا ان میں سے چند کے منعقد کرنے سے بیعت منعقد نہیں ہوتی، ان لوگوں نے سوچا کہ اس وقت مسلمان منتشر ہیں اس لیے وہ پہلے دم عثمان کا مطالبہ کریں۔ اس کے بعد کسی امام پر متحد و متفق ہوتے۔ حضرت معاویہ حضرت عمرو بن العاص، حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت طلحہ، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم اسی خیال کی طرف گئے اور جو صحابہ ان حضرات کی رائے پر تھے مدینے میں رہتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شریک نہ ہوئے وہ حضرات بھی اسی طرف گئے۔

مزید فرماتے ہیں:

’یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے جھگڑے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خطا کی نسبت نہیں کر سکتے، کیونکہ اجتہاد اُن کی طرف بھی تھا اور اجتہاد بالا جماع خطا و ثواب ہر دو کو احتمال رکھتا ہے۔‘

چند سطر بعد

’جب حقیقت یہ ٹھہری تو یہ بہت احتیاط کا مقام ہے۔ دل و زبان کو قابو میں رکھیے۔ ایسا نہ ہو کہ ان بزرگوں کے افعال کے بارے میں کوئی بدظنی کا خیال یا شک دل میں کھٹکے یا اُن کی شان میں کوئی خلافِ شان بات زبان پر آ جائے۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن کے افعال کی توجیہ بہتر کرنی چاہئے اور وہ سب لوگوں میں اس حسن ظن کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ انہوں نے جو کچھ بھی اختلاف کیا وہ دلیل و حجت سے کیا اور اُن کا آپس کا قتال جہاد کی شکل میں تھا۔ اور محض حق کی حمایت میں۔‘

حاصل کلام ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

’یہی وہ نقطہ خیال ہے جو تمام سلف صالحین و صحابہ و تابعین کے افعال کے بارے میں ہمیں قائم رکھنا چاہئے۔ یہی بزرگ اُمت کے برگزیدہ و چیدہ اشخاص شمار ہوتے ہیں اگر انھیں کو ہم اپنے اعتراضات کا نشانہ بنائیں تو پھر اُمت میں عدالت کس میں ملے گی۔‘ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۳۹)

تحکیم۔

معرکہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتے ہوئے قرآن کو نیزوں پر رکھ کر لہر دینے سے جو ابر رحمت برسا اُس نے تمام جنگی شعلوں کو سرد کر دیا۔ نتیجتاً صلح و

مصالحت کے امکانات روشن ہونے لگے جو آگے چل کر تحکیم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔
 انتہائی غور و خوض کے بعد طے یہ ہوا کہ فریقین اپنا اپنا ایک نمائندہ منتخب کریں جو
 ثالثی کے فرائض نہایت دیا ننداری سے انجام دے۔ چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
 جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے
 حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

کچھ لوگوں کا کہنا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو منتخب کر کے معاذ اللہ
 فاش غلطی کی۔ ایسے سادہ لوح آدمی کو فاتح مصر عمرو بن العاص کے مقابلہ میں نمائندہ بنانا
 بڑی نادانی تھی۔ العیاذ باللہ۔

مذکورہ غیر علمی اعتراض سے نہ صرف مولائے مومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
 اہانت ہوتی ہے بلکہ اس میں محمد عربی سید عالم ﷺ اور اُن کے وفادار خلفاء کی بيمثال
 شخصیت مجروح ہوتی ہے کہ معاذ اللہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور اُن کے جاثار خلفاء ملکی نظم و نسق
 اور سیاسی و مذہبی گروہوں کو کھولنے کے لیے سادہ لوحوں کو چنا کرتے تھے۔ حالانکہ احادیث
 کے مقدس ذخیرے تو یہ بتا رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو
 یمن کا والی بنایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو مدد کے لیے اُن کے
 ماتحت رکھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں قضاۃ کا منصب جلیلہ عطا کیا۔
 قاضی بننے کا اہل تو وہی ہو سکتا ہے جو دقیقہ رس، نکتہ سنج اور معاملہ فہم ہو۔ اور پھر امیر المومنین
 حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ کیا سید المرسلین اور
 اُن کے خلفاء راشدین کو احساس نہ ہو سکا کہ معاذ اللہ وہ ایک سادہ لوح شخص سے کام لے
 رہے ہیں جسے عملی سیاست میں حصہ لینے کا شعور نہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر ایک طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فہم و فراست میں یدِ طولیٰ حاصل تھا تو دوسری طرف حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں بھی ذکاوت اور ذہانت، اور تدبیر و سیاست بدرجہ اتم موجود تھی۔

بہر حال دونوں ثالثوں نے مسئلہ زیر بحث پر گفتگو شروع کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے اُمت مسلمہ کے افسوسناک اختلافات اور اُس کے مہلک اثرات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا۔

اے عمرو ! افراتفری بہت ہو چکی اب کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہئے کہ مسلمان آپس میں گلے مل جائیں۔

عمرو بن العاص: مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے کاتب اُسے لکھتا جائے۔ کیونکہ جو بات تحریر میں آجاتی ہے اس میں بھول چوک نہیں ہوتی۔

(حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کاتب کو بلا کر ہدایت کی کہ وہی الفاظ قلم بند کر د جس پر فریقین متفق ہو جائیں)۔

ابو موسیٰ اور عمرو بن العاص 'کاتب' سے: لکھو !

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن العاص باہم متفق ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ خدا نے انہیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس کی حقانیت کے سبب تمام ادیان پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

عمرو بن العاص: ہم دونوں یہ اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے تازندگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کیا اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیا۔

ابوموسیٰ اشعری: (کاتب سے) بجا و درست لکھو۔

عمرو بن العاص: ہم دونوں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے انھوں نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو برقرار رکھا۔ ابوموسیٰ اشعری: (کاتب سے) یہ بھی صحیح لکھو!

عمرو بن العاص: ہم دونوں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر کے بعد عثمان مسلمانوں کے اتفاق اور صحابہ کے مشورہ اور ان کی رضامندی سے منصب خلافت پر فائز ہوئے اور وہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔

ابوموسیٰ اشعری: یہ مسئلہ اس وقت زیر بحث نہیں ہے۔

عمرو بن العاص: اگر آپ ان کو مومن تسلیم نہیں کرتے تو پھر کیا وہ کافر تھے؟

ابوموسیٰ اشعری: (کاتب سے) اچھا لکھو!

عمرو بن العاص: اب دو ہی باتیں ہیں یا تو انھیں ظالم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا یا مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا۔

ابوموسیٰ اشعری: انھیں مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا۔

عمرو بن العاص: جسے مظلوم قتل کیا گیا ہو خدا نے اس کے ولی کو قاتلوں سے طلب قصاص کا حق دیا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری: ہاں، دیا ہے۔

عمرو بن العاص: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ، عثمان کے ولی اقرب ہیں۔
ابوموسیٰ اشعری: یہ بھی درست ہے۔

عمرو بن العاص: تو اس صورت میں معاویہ کو حق ہے کہ قاتلین عثمان کا مطالبہ کریں، وہ جو
بھی ہوں، جہاں بھی ہوں۔ اس کام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔
ابوموسیٰ اشعری: یہ بھی ٹھیک ہے۔

عمرو بن العاص: (کاتب سے) یہ سب باتیں لکھ لو۔

ابوموسیٰ اشعری: اے عمرو! یہ نزاع اُمت کے لیے بہت مصیبت ہے کوئی ایسی تجویز سوچیں
کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو۔ اور ملت کی بہبودی کی صورت پیدا ہو۔
عمرو بن العاص: ایسی تجویز کیا ہو سکتی ہے۔

ابوموسیٰ اشعری: مجھے یقین ہے کہ اہل عراق کبھی معاویہ کو پسند نہ کریں گے اور اہل شام بھی
علی سے راضی نہ ہوں گے لہذا دونوں کو نظر انداز کر کے عبداللہ ابن عمر کو خلیفہ بنایا جائے۔
عمرو بن العاص: کیا عبداللہ ابن عمر اس منصب کو قبول کریں گے۔

ابوموسیٰ اشعری: امید تو ہے۔ بشرط یہ کہ سب مسلمان بالاتفاق اُن سے درخواست کریں۔
عمرو بن العاص: سعد بن ابی وقاص کو کیوں نہ منتخب کیا جائے۔
ابوموسیٰ اشعری: وہ موزوں نہیں ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اور متعدد بزرگوں کے نام
لیے لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انکار کرتے رہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر
رضی اللہ عنہما کے علاوہ، کسی اور کے لیے رضامند نہ ہوئے۔

یہاں تک آ کر گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا اور جو کچھ طے پایا اس پر فریقین کے دستخط ثبت ہو گئے۔ (مروج الذهب ج ۲ ص ۳۰۶)

اس فیصلہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولیت پر دونوں متفق ہو گئے لیکن یہ طے نہ ہو سکا کہ یہ منصب کس کے سپرد ہو۔ لہذا یہ کام اُمت کی رائے عامہ کے سپرد کیا گیا۔ جو تجویز قلم بند ہوئی تھی وہ مجمع عام میں پڑھ کر سنادی گئی اور فریقین اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔

ہماری پیش کردہ رودادِ حکیم مروج الذهب سے ماخوذ ہے، دوسرے مورخین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ مثالوں میں جو گفتگو ہوئی اس کے خلاف مجمع عام میں اعلان کیا گیا۔ جب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا کہ:

’ہم علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو معزول کرتے ہیں اور آئندہ خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق اُمت کے سپرد کرتے ہیں۔‘

تو حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے یہ اعلان کیا:

’میں علی (رضی اللہ عنہ) کی معزولیت پر متفق ہوں لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میں معزول نہیں کرتا۔‘

اس اعلان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی اور مثالوں میں معاذ اللہ گالی گلوچ تک کی نوبت آ گئی۔

فی الواقع اس طرح کی ساری باتیں بوجہ ذیل ناقابل قبول ہیں:

۱- ثالثی نامہ کی کتابت اور اس پر باقاعدہ شہادتوں کا ذکر سارے مورخین نے کیا۔ تعجب ہے کہ ثالثی نامہ تو قید تحریر میں لایا جائے اور اصل فیصلہ زبانی ہو۔

۲- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) اس دروغ بیانی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھنا، اُن کی اپنی واحد رائے قرار پاتی اور طے شدہ شرائط کی رو سے صرف بین الحکمین متفقہ فیصلے ہی قابل قبول ہو سکتے تھے نہ کہ ایک حکم کی تہا رائے۔

۳- اگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تحریر کے خلاف بیان دیتے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کی تردید تحریر پر پڑھ کر بہ آسانی کر دیتے۔

۴- اس روایت میں حکمین کی طرف چند غیر مہذب اور ناساختہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں یعنی یہ کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کو گدھا اور کتا بنایا اور بُرا بھلا کہا۔

ان برگزیدہ ہستیوں کی طرف ان کلمات کی نسبت کو دل گوارہ نہیں کرتا کیونکہ یہ ان حضرات کی مجموعی زندگی کے خلاف ہیں۔

۵- یہ معاہدہ ان قرشی عربوں نے کیا تھا جو عہد جاہلیت میں بھی عہد شکنی کو موجب ننگ و عار سمجھتے تھے اور عہد کی پاسداری میں تن من دھن کی بازی لگا دیا کرتے تھے تو پھر کیسے یقین کر لیا جائے کہ سید کائنات ﷺ کے چندہ اصحاب معاذ اللہ جاہلیت سے بھی گئے گذرے ہو گئے۔

۶- سرورِ عالم ﷺ کی زبان سے یہ ربانی پیغام سننے والے اصحاب رسول

﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدہ/۱) عہد کی پابندی کرو۔

اور جن کی صفت قرآن نے یہ بیان کی ہو :

﴿وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ (معارج/۳۲) جو اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔

اس صورت میں ناممکن ہے کہ باوفا ثالثوں نے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی ہوگی۔

۷۔ مسعودی صاحب! مروج الذهب نے جہاں اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس تک فیصلے کے تحریری ہونے کی روایت پہنچی ہے وہیں اس نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ میرے پاس بھی ایسی روایت ہے کہ جس میں تصریح ہے زبانی کوئی تقریر نہیں ہوئی۔ (مروج الذهب ج ۶ ص ۴۱۱)

۸۔ اس روایت کے علاوہ 'درایت' کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جب ثالثوں کا تقرر بذریعہ تحریر ہوا۔ اور فریقین نے اپنی رضامندی اور فیصلے کی پابندی کا اظہار و اقرار تحریری طور پر کیا تو لازماً فیصلہ بھی تحریری ہونا چاہئے۔ تاکہ کسی بھی بھول چوک اور تاویل و توجہ کا امکان جو موجب فساد ہو پیدا ہی نہ ہو سکے۔

اب ظاہر ہے کہ ثالثوں نے اسی تحریری دستاویز کو بھری بزم میں پڑھ کر سنایا ہوگا۔ چنانچہ سامعین فیصلہ سنتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ اب از سر نو ایک خلیفہ کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ یہ صحیح ہے کہ ثالثوں نے جس اجتماع عام میں زیر بحث مسئلے کا تعقیب کا فیصلہ کیا تھا وہ اجتماع نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے ہی سبائیوں اور خارجیوں کی سیہ کاریوں، ریشہ دوانیوں اور مفسدہ پرداز یوں نے پر امن ماحول کو انتشار میں بدل دیا۔ حالات پے در پے کروٹیں لینے لگے اور کسی نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو سکا لیکن نتیجہ بہر حال وہی نکلا جو جمہور صحابہ چاہتے تھے کہ 'مومن کی تلوار مومن کا گلہ نہ کاٹے'۔

اگر دونوں ثالث امن کی اس فضا کو قائم کرنے میں ناکامیاب ہو گئے ہوتے تو یہ مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوتا جو ہوا کہ خوارج ذوالفقار علی اور قاتلان عثمان تیغ معاویہ سے کیفر کردار کو پہنچ رہے تھے جو علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے ذہنی اتحاد کا نتیجہ وہ ثمرہ تھا۔

شہادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ:-

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو اپنے عہد میں 'افضل الصحابہ' اور اقلیم ولایت کے تاجدار تھے۔ اسلام کے ستون اور امت کے لیے باعث سکون تھے۔ ابن ملجم نے اپنی باغی تلوار سے امت کو اس دولت بے پایاں سے محروم کر دیا۔

شہادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا۔ کیونکہ ایسی جامع الصفات شخصیت اب پوری اسلامی دنیا میں نہ تھی۔ وہ کون تھا جس نے عہد مرتضوی میں خرمن علویہ سے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ وہ کون تھا جس نے بارگاہِ علویہ میں عقیدت و محبت کے پھول نہ نثار کئے ہوں۔

مولائے مومنین کی خیر شہادت سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے۔ آپ کی اہلیہ فاختہ نے عرض کیا کہ آپ کل تک مخالفت کر رہے تھے اور آج غم علی میں رو رہے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج ہم نے ایسے شخص کو کھو دیا جو فضل و کمال تقویٰ و طہارت اور علم و عمل میں بے نظیر اور لا ثانی تھا۔

ضرار صدائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر اُن پر پڑی تو فرمایا، ضرار! تم علی (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کرو۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی اصرار کا ہی نتیجہ تھا کہ ضرار نے انکار کو قبول نہ کیا۔ بالآخر انہوں نے یوں بیان شروع کیا۔

'حضرت نہایت بلند اور قوی تھے۔ نپلی تلی بات کہتے تھے۔ عا دِلانہ فیصلے کرتے تھے۔ سراپا علم، بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موجزن تھا دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے یک گونہ متنفر تھا۔ رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا آخرت

کے لیے بہت ہی فکر مند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی کھانا تکلفات سے یک قلم خالی۔ سادہ اور موٹا جھوٹا ہماری طرح رہتے تھے۔ کچھ امتیاز نہیں تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم ان سے۔ وہ ہم کو قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب داب اور آپ کی ہیبت و وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے متدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے اُن کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتوان عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کاروانِ شب رخت سفر باندھنے کو ہے چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی جانب ریگتا ہوا جا رہا ہے۔ جھلملاتے تارے چراغِ سحر کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی داڑھی مٹھی میں لیے مار گزیدہ اور عاشقِ خواب نادیدہ کی طرح بیقرار اور اشکبار اور دُنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں 'اے دُنیا، اے فریب دینے والی دُنیا' یہ فریب اور کُدے۔ تو مجھ سے اپنی چاہت اور انیسیت کا اظہار کر رہی ہے اور اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے طلاقیں دے دی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دے لیا ہے۔ میں کبھی تیری طرف آنے والا نہیں۔ تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل لیکن راستہ اور سفر طویل اور زاہدِ راہ بالکل حقیر و قصیر ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ سننا تھا کہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی

آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں ہیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:
'اللہ تعالیٰ ابوالحسن' (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) پر رحم فرمائے۔ واللہ وہ ایسے
ہی تھے، وہ ایسے ہی تھے۔ (روضۃ النظر ج ۲ ص ۲۱۲ و معاد یہ ج ۱ ص ۲۹۰ تا ۲۹۲)

عہد امام حسن رضی اللہ عنہ :-

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر جب ابن ملجم نے حملہ کیا تو زہراؓ لود تلواریں کے اثرات پورے جسم
اطہر میں پھیل گئے۔ جب زندگی کی امید کا ہر تار دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگا تو لوگوں نے عرض کیا
کہ ہم آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حسن بن علی سے بیعت کر لیں فرمایا:
نعم ان رضیتم۔ ہاں اگر تم سب راضی ہو تو۔

علامہ ابن الاثیر نے جواب کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

وما امرکم ولا نہاکم۔ نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے روکتا ہوں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۸۵ اور مروج الذهب جلد ۲
صفحہ ۴۲ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

اس ارشاد مرتضوی سے معلوم ہوا کہ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا نہ شرعاً معیوب ہے
اور نہ ہی خالص سنت قیصر و کسریٰ۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً منع کرتے کہ باپ
کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ
کی بیعت شروع ہوئی اور اس طرح امت نے اس بات کی بنیاد ڈال دی کہ باپ کے بعد
بیٹا بھی خلیفۃ المسلمین ہو سکتا ہے۔

بیعت خلافت کے بعد امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے جو پہلا خطبہ دیا

اُسے سن کر سامعین نے ہنگامہ برپا کر دیا اور آپس میں متفرق ہونے لگے۔ ایک جماعت کہنے لگی کہ 'جن بھی اپنے والد کی طرح (معاذ اللہ) کافر ہو گئے'۔

اس ناپاک گروہ نے امیر المومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ خیمہ کا سامان لوٹ لیا آپ کے پیروں کے نیچے سے مصلیٰ اور کاندھے سے چادر کھینچ لی۔ بالآخر امیر المومنین کی پکار پر ربیعہ اور ہمدان کے قبیلے والے دوڑے اور مفسدین کو کوفہ مار بھگایا۔

اس واقعہ سے امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ یقین ہو گیا کہ اہل کوفہ اور دیگر نام نہاد شیعیان علیٰ اپنی سرشت سے مجبور ہیں وہ خون خرابہ اور قتل و غارت گری کے ہی خوگر ہیں ان سب سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ دوسری طرف رہ رہ کر انھیں اپنے والد بزرگوار امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں یاد آ رہی تھیں۔

لا تکرہوا امارۃ معاویہ خلافت معاویہ سے تم کراہت نہ کرنا۔

نیز

ان معاویہ سیلی الامیر معاویہ عنقریب امیر المومنین ہوں گے۔

نتیجتاً قلب امام میں بدترج جذبہ صلح و آتش گھر کرتا گیا اور پھر امام اس نبوی ارشاد سے غالباً ناواقف نہ رہے ہوں گے کہ لڑ بھڑ کر معاویہ پر غلبہ حاصل نہیں کیا جاسکتا (ان معاویہ لا یصارع احد الاصرع معاویہ ۱) چنانچہ امیر المومنین حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما صلح کی تیاریوں میں گویا مصروف ہو گئے۔

صلح حسن رضی اللہ عنہ :- اس کی تفصیل ناقابل اعتماد تاریخی ذخیروں سے بیان

کرنے کے بجائے صحیح بخاری سے نقل کرتا ہوں جو کتب الہیہ کے بعد اپنی صحت کی بناء پر ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ نذرناظرین ہے۔ امام بخاری حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

’واللہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے۔ پس عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں تو یہ فوجیں ایسی دیکھ رہا ہوں جو اپنے سامنے والوں کو جب تک مار نہ لیں پیٹھ نہ پھیریں گی۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) بنے اُن سے کہا۔ اگر انھوں نے اُن کو مارا تو اُن کے ان اُمور کا کون ذمہ دار ہوگا۔ پس انھوں نے قریش کے دو آدمی جو بنی عبد شمس کے تھے عبد الرحمن بن سرہ و عبد اللہ بن عامر کو پیغام صلح دے کر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے حسن (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیجا۔ دونوں گئے اور اُن سے گفتگو میں طلب گار صلح ہوئے۔ حسن (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ہم عبد المطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔ اور ہمارا گروہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) آپ کو اتنا اتنا روپیہ دیں گے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں آپ جو چاہیں اُسے منظور کریں۔ آپ نے فرمایا اس کا ذمہ دار کون ہے؟ دونوں نے کہا ’ہم ذمہ دار ہیں‘ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) نے جو کچھ کہا اس کے جواب میں دونوں نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں۔ پس آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ابوبکرہ (صحابی رسول) سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ حسن ابن علی (رضی اللہ عنہما) ان کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف منہ کرتے اور کبھی حسن ابن علی (رضی اللہ عنہما) کی

طرف اور فرماتے تھے کہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کر دے گا۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ ص ۵۴)

صحیح بخاری کی اس روایت کا پہلا جملہ قابل غور ہے کہ واللہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے (استقبل واللہ الحسن بن علی معاویہ بکتاب امثال الجبال) لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدث ابن بطل کا قول نقل فرماتے ہیں:

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معاویہ ہی صلح پر راغب تھے اور انھوں نے حسن ابن علی پر مال کی پیش کش کی اور اس کے قبول کرنے کی ترغیب دی اور تلواریں روکنے کو کہا آپ کو اپنے نانا علیؑ کی وہ پیش گوئی یاد دلائی جن میں اُن کی سیادت میں اصلاح کے متعلق فرمایا گیا تھا۔

هذا يدل على ان معاوية وانه عرض على الحسن المال ورغبة فيه وحثه على رفع السيف وذكره ما وعده به بده صلى الله عليه وسلم من زيادته في الصلاح !

مزید فرماتے ہیں:

اس صلح سے اصلاح بین الناس بالخصوص مسلمانوں کی خون ریزی کو روکنے کی فضیلت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معاویہ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بہت شفیق تھے۔ تدبیر مملکت اور معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ گڑی رہتی تھی۔

به فضيلة الاصلاح بين الناس ولا سيما في حقن وماء المسلمين ودلالة على رأفة معاوية بالرعية وشفقته على المسلمين وقوة نظره في تدبير ملك ونظر في العواقب !

محقق علی الاطلاق علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی تشریح
تے ہوئے مندرجہ ذیل جملے بھی سپرد قلم کرتے ہیں:

صلح الحسن مع معاویہ واستقرار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت
حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کرنا اور استقرار دوام
فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امارت معاویہ
صحیح و درست ہے۔

حضرت شیخ محقق علی الاطلاق نے ایسا ہی مشکوٰۃ کی فارسی شرح اشعۃ اللغات جلد ۴ صفحہ
۶ پر بھی تحریر فرمایا ہے۔

اخط صلیح :-

فی الوقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے ہیں لیکن اُن کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ
خلیفۃ المومنین ہوں گے۔

باشندگانِ مدینہ، حجاز اور عراق سے مزید کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں لیا جائے گا بلکہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے جو دستور چلا آ رہا ہے وہی برقرار رہے گا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے ذمگی قرض کی ادائیگی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریں گے۔ ۱۔
ابواز کا خراج امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیا جائے گا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

عطیات اور صلوات میں بنی ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے۔ ۲۔

بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ :-

مشہور شیعہ محدث و مورخ ملا باقر مجلسی

لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا بلکہ مجمع عام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ملا موصوف امام سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرات حسین شہیدین رضی اللہ عنہما جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو

فاذن لهم معاویہ واعدلهم الخطباء
فقال يا حسن قم فبائع فتام فبائع ثم
قال للحسين قم فبائع فتام فبائع .
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں آنے کی اجازت دے دی اور اُن کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا پس امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا اٹھئے اور بیعت کیجئے وہ کھڑے ہو کر بیعت کی پھر ابام حسین رضی اللہ عنہ نے گن کھڑے ہو کر بیعت کی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت اور صلح کے متعلق امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
اما اخي فارجوا ان يكون الله قد و
سيده فيما باتي۔
میرے بھائی حسن کے بارے میں مجھے امید ہے کہ اللہ نے انکو توفیق دی اور درست راہ دکھائی۔

جب کوفیوں نے مسلسل اصرار کرنا شروع کر دیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
انا قد بالعياذ وعاهدنا ولا سبيل الي
نقض بيعتنا۔
ہم معاویہ سے بیعت کر کے عہد کر چکے ہیں اور ہماری بیعت کے توڑنے کی سبیل نہیں ہے۔

ایک بار امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے انشراح اور وثوق و اعتماد کے ساتھ مروان ابن الحکم کو لکھا:

منا و ليس بناقص بعثنا . کیونکہ انھوں نے ہماری بیعت کر لی اور وہ

ہماری بیعت توڑنے والے نہیں ہیں۔

الحاصل بیعت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد پوری اُمت کی باگ دوڑ حضرت
 رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور مدت دراز سے پرورش پانے والا انتشار و
 اقل یک بیک اتحاد و اتفاق میں بدل گیا اور عہد خلفائے ثلاثہ کی طرح کفار و مشرکین کیفر
 دار تک پہنچائے جانے لگے۔ مسلمان مامون و محفوظ زندگی بسر کرنے لگے۔ فتوحات
 مایہ کے بند دروازے کھل گئے۔ اس دن کو غیر معمولی تاریخی اور سیاسی اہمیت حاصل
 ہے۔ اس دن انقلاب برپا ہوا تھا جس نے مومنین کے ٹوٹے ہوئے بندھنوں کو جوڑ دیا اور
 مدین کے سارے عزائم اور منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اس لیے اس دن کو تاریخی بولی
 'عام الجماعت' کہتے ہیں۔

ث خلافت :-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی پیش کرتے ہوئے 'مؤلف' لکھتا ہے۔
 اگر واقعی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی ہادی نہیں آئے گا۔ اگر قرآن مجید
 فری کتاب ہے اور اب کوئی ہدایت نامہ خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوگا۔ اگر خدا کا وعدہ
 ہے کہ غلبہ اسے اور اس کے رسولوں کو ہوگا اگر اس کا یہ فرمان درست ہے کہ نبی ﷺ کی برپا
 ر وہ اُمت بہترین جماعت ہے اور تمام عالم انسانیت کے لیے نمونہ تو ہمیں یہ بھی یقین رکھنا
 چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی متعین دستور چھوڑا ہوتا یا کسی شخص کو اپنے بعد نامزد کیا ہوتا یا کسی
 قلمدار سے اُمت کو حدودِ الہی کے علاوہ پابند کر گئے ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جنہوں نے جان و مال قربان کر کے دین قائم کیا تھا اور سخت سے سخت آزمائش میں گزر کر اُسے برپا رکھا تھا وہ ہرگز اس راہ سے نہ ہٹتے، بلکہ سوائے اس طریقہ کار کے کوئی دوسرا طریقہ برداشت نہ کرتے اور نہ کسی بدعت پر راضی ہوتے، اُن کی تمام زندگی قربانیوں میں گزری، بڑھاپے میں بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ آسمان و زمین نے یہ منظر دیکھا ہے کہ بیٹا اپنے جانے پر مصر ہے اور باپ اپنے جانے پر، باپ کی رائے غالب رہتی ہے۔ خود گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ دوسرے سوار کراتے ہیں اور یوں میدان کارزار میں جا کودتے ہیں۔ ایسے لوگ آنحضرت ﷺ کے فرمان سے اور آپ کے منشاء سے کیسے ہٹ سکتے تھے۔ انھیں کیسے برداشت ہوتی کہ امت کی زمام قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی جائے یا گاڑی پٹری سے اتر جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام نے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پانچ خلفاء کو زمام قیادت سپرد کی اور خلیفہ کے برسر اقتدار آنے کا طریقہ مختلف رہا۔ گویا صحابہ کے نزدیک اگر کسی چیز پر اتفاق اور اجماع تھا تو اس پر کہ تبدیلی ہو اور احوال کے مطابق سیاست کی تشکیل کی جائے اور اُن کا اجماع اس پر تھا کہ اسلام کا سیاسی نظام متعین نہیں ہے بلکہ امت کے منشاء پر اس کے قیام کا انحصار ہے۔

سیدنا صدیق اکبر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت ایک محدود حلقہ میں ہوئی تھی جو تین مہاجروں کے علاوہ انصار کے ایک غیر نمائندہ اجلاس پر مشتمل تھا۔ امت سے قطعاً استصواب (یعنی مشورہ) نہیں کیا گیا۔ لیکن چونکہ یہ بیعت ہوئی تھی ایسے شخص سے جو اگر خلیفہ نہ ہوتا تب بھی صدیق اکبر اور ثانی امین (دو کا دوسرا) ہی رہتا اور نبی ﷺ کے بعد سب سے بڑا شخص سمجھا جاتا۔ آپ کی بیعت مکمل ہو گئی کیونکہ طبعاً سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔

حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کا تو قطعاً انتخاب ہی نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت خلیفہ رسول ﷺ نے محض اپنی مرضی سے اور صرف اپنی صوابدید کے مطابق انھیں نامزد کیا۔ روایتیں ہیں کہ آپ نے فلاں صاحب اور فلاں صاحب سے مشورہ کیا تھا۔ لیکن سرکاری طور پر اس مشورہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اول تو آپ کا فرمان صراحت کر رہا ہے کہ وہ تقرر محض آپ کی اپنی منشاء سے ہوا اور اس میں ادنیٰ ترین اشارہ بھی ان مشوروں کے متعلق نہیں جو مروی ہیں۔ پھر یہ ہے کہ روایتوں میں جو مشورے بیان کئے گئے ہیں ان میں یہ ہرگز مذکور نہیں کہ تم فلاں اور فلاں میں کے موزوں سمجھتے ہو۔ بلکہ صرف یہ فرمانا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ گویا ان مشوروں کی ان روایتوں کے مطابق بھی آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لوگوں نے خلافت نبوت کے بارے میں شوریٰ کے جو فرضی تصورات ۱۔ بطور خود قائم کر لیے ہیں ان ہی کے تحت ان واقعات کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ تلخیص سے عوام متاثر ہوں تو ہوں۔ طالبان علم متاثر نہیں ہو سکتے اور نہ خیالی باتوں سے واقعات بدل جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تقرر استصواب رائے عامہ سے ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ ارباب حل و عقد کے سامنے بھی دو چار نام نہیں رکھے گئے تھے سوائے خلیفہ رسول ﷺ کے کسی اور پر اس تقرر کی ذمہ داری نہیں ہے۔

البتہ آپ کے متعلق جو فیصلہ ہوا وہ بالکل قدرتی تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد سوائے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی اور پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ فرمان صدیقی کے الفاظ ہیں :

انی استخلف علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا له واطیعوا انی لم آک الله ورسوله ودينه و نفسی وایکم خیرا۔

میں نے اپنے بعد تمہارے اوپر عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے۔ اُن کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ میں اللہ اور اُس کے رسول، اُس کے دین، اپنی جان اور خود تمہاری خیر خواہی کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوچی۔

اس پورے فرمان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اندازہ ہو کہ اس انتخاب و تقرر کی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شخص بھی شریک ہے۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضوان اللہ علیہ کا انتخاب ایک بالکل ہی دوسری طرح ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ بزرگوں کو نامزد کیا کہ ان میں سے کسی کا انتخاب ہو جائے آپ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ یہ چھ حضرات امیدوار ہیں انھیں امت کے سامنے پیش کر کے استصواب کرنا تاکہ ایک صاحب منتخب ہو جائیں۔ بلکہ شوریٰ محض ان چھ حضرات کے مابین تھا کہ آپس میں کسی ایک پر اتفاق کر لیں۔

قرآن اور حدیث میں خلافت نبویہ کی ایسی تفصیل و تشریح ہرگز نہیں ہے جس کی روشنی میں خلافت و انعقاد خلافت کی کوئی ایک صورت متعین کی جاسکے، اطاعت امیر کی ضرورت، انسانی قدروں کی حفاظت کتاب و سنت کی پابندی، زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی امتیازی حیثیت اور فریضہ دعوت و تبلیغ وغیرہ قانون کے روپ میں ضرور بتائے گئے ہیں لیکن ان باتوں کے مجموعہ کا نام خلافت نہیں رکھ سکتے، بلکہ ان قوانین و ضوابط کی روشنی میں خلافت اور انعقاد خلافت کے لیے ہم ایک ایسا راستہ ضرور ڈھونڈ سکتے ہیں جو شارع علیہ السلام کی منشاء دلی کو پوری کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو اور جس کا مقصد صرف دین برپا کرنا ہو۔

بحث کو اس سے بحث نہیں کہ خلافت فقط شوروی ہو۔ اور اس کے لیے ایک میٹنگ ہو جس میں ممبران مجلس شورئی اپنی قیمتی آراء پیش کریں۔ خلیفہ اول کی خلافت شخص واحد (حضرت رضی اللہ عنہ) کے ذریعہ منعقد ہوئی۔ خلیفہ ثانی کی خلافت خلیفہ اول کے چاہنے سے۔ اس کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہاں کوئی مجلس کی؟ کب چندوں کے بارے میں رائے لی؟ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے اگر کچھ پوچھا بھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں۔ کیا شورئی کا یہی مفہوم ہے کہ اپنے پیروں کے سوا کسی اور کے بارے میں رائے ہی نہ لی جائے۔

خلیفہ ثالث بھی خلیفہ دوم کی مرضی کے مطابق ہی ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنہ کو نامزد کیا کہ بس انہیں میں سے ایک چنا جائے تو دنیا نے دیکھا کہ پھر کسی ساتویں کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اسلامی خدمات کا سہارا لے کر کھڑا ہو جائے۔ اصحاب شورئی پابند ہو گئے کہ اگر انتخاب ہو سکتا ہے تو بس انہیں چھ حضرات میں سے کسی کا۔ کیونکہ یہی فرمانِ امام سابق ہے۔

الحاصل انعقاد خلافت کی کوئی واضح صورت قرآن و حدیث میں نہیں۔ یہ چیز اربابِ عقائد کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی کہ شریعت محمدیہ کی روشنی میں حالات کے پیش نظر جسے چاہیں منتخب کریں۔ مجلس شورئی اور اس کی ممبر سازی عصر نو کی پیداوار ہے۔ قرنِ سیم میں 'شورئی' کا وہ تصور نہ تھا جو آج بائیان تحریک پیش کر رہے ہیں کہ امر حرام پر بھی راد شورئی کا اتفاق ناقابل انکار ہوتا ہے۔ مشورہ بیشک عمدہ چیز ہے۔ اس سے مسئلہ کا ہر گوشہ روشنی میں آ جاتا ہے اور ایسے راستے بھی سامنے آ جاتے ہیں جو پہلے سے حافیہ خیال ہی بھی نہیں رہتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ بغیر مشورہ کے کسی کو اپنے بعد کے

لئے خلیفہ بنانا باطل ہو جائے ورنہ..... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی ناقابل انکار توجیہ کس طرح کی جاسکتی ہے؟

تعداد خلفاء :-

وہ کون ہے جس نے مسئلہ خلافت پر قلم اٹھایا ہو اور حدیث سفینہ نہ بیان کیا ہو اور وہ یہ ہے:
 الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم - خلافت میری امت میں تیس برس رہے گی
 یصیر ملکاً عضوّاً
 پھر وہ ملک ہوگا جو عضو ہے۔

سنن ترمذی میں یوں ہے:

الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنة ثم خلافت میری امت میں تیس برس رہے گی۔
 ملک بعد ذلک
 پھر وہ ملک ہو جائے گی۔

اسی حدیث کو امام ابوداؤد نے اس طرح بیان کیا ہے:

خلافۃ النبوة ثلاثون سنة ثم یوتی خلافت نبوت میں سال تک ہے پھر اللہ تعالیٰ
 اللہ الملك من یشاء
 جسے چاہے ملک دے گا۔

ان مذکورہ حدیثوں میں خلفاء کی تعداد بھی بتائی گئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

سنن ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

امسک خلافة ابی بکر ثم قال وخلافة ابوبکر کی خلافت لو، عمر اور عثمان کی خلافت لو پھر
 عمر وعثمان ثم قال امسک خلافة کہا کہ علی کی خلافت لو تو ہم نے ان سب کی
 علی فوجدناها ثلاثین سنة مدت تیس سال پائی۔

امام ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:

قال سعيد قال لی سفینه امسک
علیک ابابکر سنتین وعمر عشراو
عثمان اثنتی وعلی کذا
سعيد کا بیان ہے سفینہ نے مجھ سے کہا کہ ابوبکر
کے دو سال لو اور عمر کے دس سال لو اور عثمان
کے بارہ سال لو اور علی کے اتنے سال لو۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث سفینہ کا مصداق صرف چار
حضرات کو قرار دیا۔

والخلافة علی حدیث سفینه ابوبکر
وعمر و عثمان و علی
اور خلیفہ حدیث سفینہ کی رو سے ابوبکر و عمر و
عثمان و علی ہیں۔

تفسیر روح البیان میں پہلے حدیث سفینہ کو نقل کیا گیا پھر اس کی تشریح یوں کی گئی:

امسک خلافة ابی بکر سنتین خلافة
عمر عشر سنین و خلافة عثمان
اثنتی عشره سنة و علی ستا
مگن لو۔ ابوبکر کی خلافت دو برس۔ عمر کی
خلافت دس برس۔ عثمان کی خلافت بارہ برس
اور علی کی چھ برس۔

اسی خلافت میں سالہ میں تعداد خلفاء صرف چار ہے۔ حالانکہ معتبر احادیث صحاح
ایسی بھی ہیں جو بالصراحت خلفاء کی تعداد بتاتی ہیں جن میں تعداد خلفاء چار نہیں بارہ ہے۔
الخلفاء من بعدی اثنا عشر کلهم من قریش میرے بعد بارہ قریشی خلفاء ہوں گے۔
چند الفاظ کے فرق کے ساتھ اس طرح بھی ہے:

لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنتی
عشره خلیفة کلهم من قریش۔
اسلام قوت سے رہے گا یہاں تک کہ بارہ
خلفاء اور وہ سب قریشی ہوں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب 'تاریخ الخلفاء' میں ان احادیث پر

میر حاصل گفتگو کرتے ہیں۔ اختلاف الفاظ و سند کے ساتھ چھ سات بار اس حدیث کو نقل کیا ہے:

اثنا عشر خليفة كلهم من قریش
اخرجه اشیخان وغیرہما ولہ طرق۔
قریش میں بارہ خلیفہ ہوں گے اس حدیث کو
شیخین نے بھی لکھا ہے۔ نیز مختلف طریقوں
سے بیان کی گئی ہے۔

فیہم اثنا عشر خليفة لا یزال
الاسلام عزیزا منیعا الی اثنی عشر
خلیفة۔
قریش میں بارہ خلیفہ ہیں بارہ خلیفہ ہونے
تک دین اسلام مستحکم رہے گا۔

لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی
اثنا عشر خليفة كلهم من قریش
علیکم اثنا عشر خلیفة۔
بارہ خلیفہ ہونے تک دین اسلام مستحکم رہے گا
اور میری امت مستحکم رہے گی۔ وہ سب قریشی
ہوں گے۔
تجہارے لیے بارہ خلیفہ ہیں۔

اثنا عشر كعدة نقباء بنی اسرائیل۔
بنی اسرائیل کے (بارہ) نقباء کی طرح بارہ
(خلفاء) ہوں گے۔

حضرت جلالہ العلم علامہ سیوطی آخر میں فرماتے ہیں:

ان المراد وجود اثنی خليفة فی جميع
مدة الاسلام الی يوم القيامة يعلمون
بالحق وان لم تتوال ایامهم ویؤید هذا
ما اخرجہ مسدد فی مسنده الکبیر عن
ابی الخلد انه قال لا تهلك هذه الامة
بارہ خلفاء سے وہ مراد ہیں جو آغاز اسلام سے
قیامت تک کے درمیان ہوں اور حق پر قائم رہیں
گے اور یہ ضروری نہیں کہ ان کا زمانہ باہم مسلسل ہو۔
ان لوگوں کے اس بیان کی تائید اس قول سے ہوتی
ہے جو مسدد نے اپنی مسند کبیر میں تحریر کیا ہے

حتى يكون منها اثني عشر خليفة
كلهم يعمل بالهدى ودين الحق منهم
اجلان من اهل بيت محمد صلى الله
عليه وسلم وعلى هذا فالمراد بقوله
ثم يكون الهرج. اى الفتن الموزنة
بقيام الساعة من خروج الدجال.

دین حق پر چلنے والے ہدایت کے علم بردار بارہ
خلفاء کے ہونے تک جن میں اہل بیت کے بھی
دو افراد شامل ہیں جب تک خلافت نہ کر لیں گے
اس وقت تک اُمت مسلمہ ہلاک و برباد نہیں
ہوگی اور سرور عالم ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس کے بعد
پھر فتنہ و فساد ظہور پذیر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے
کہ یہ فتنہ فساد کا زمانہ خروج و جال سے لے کر
قیامت تک کا زمانہ ہوگا۔

علامہ سیوطی احادیث کی روشنی میں مذکورہ کلیہ تحریر فرمانے کے بعد اپنی رائے

ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

قلت وعلى هذا فقد وجد من الاثني
عشر الخلفاء الاربعة والحسن
ومعاوية وابن الزبير وعمر بن
عبد العزيز هؤلاء ثمانية ويحتمل ان
يضم المهدي من العباسيين لانه فيهم
كعمر بن عبد العزيز في بنى أمية
وكذلك الطاهر لما روية من العدل
وبقى الاثنان المنتظرون احدهما
المهدي لانه ال بيت محمد صلى الله
عليه وسلم.

میں کہتا ہوں کہ بارہ خلفاء میں یہ حضرات
ہیں۔ خلفائے اربعہ، امام حسن، حضرت
معاویہ، ابن زبیر، عمر بن عبدالعزیز یہ آٹھ
ہوئے ان خلفاء میں المہدی کو شامل
کرنا چاہئے کیونکہ عباسیوں میں یہ ایسے ہی
ہیں جیسے عمر بن عبدالعزیز اُمویوں میں۔ اور
اسی طرح طاہر جو عدل و انصاف کے پیکر تھے
ان دس کے بعد دو خلیفہ باقی رہے جن میں
سے ایک امام مہدی ہوں گے جو اہل بیت محمد
ﷺ میں سے ہوں گے۔

مختصر یہ کہ ایک حدیث یہ ہے کہ خلافت تیس برس رہے گی اور دوسری حدیث یہ ہے کہ خلفاء بارہ ہوں گے۔ تیس سال میں بارہ قریشی خلفاء کی نشاندہی ناممکن ہے کیونکہ تیس سال میں صرف چار خلفاء پائے جاتے ہیں۔

حدیث سفینہ گویا بخاری میں موجود نہیں ہے مگر عند العلماء مشہور و معروف ضرور ہے لیکن حدیث 'اثنا عشر خلیفہ' تو صحیحین میں بھی مذکور ہے۔ اس لیے اس حدیث کی صحت سے انکار 'فن حدیث' سے ناواقف ہونے کی تین دلیل ہے۔

اب یا تو حدیث سفینہ سے بالکل انکار کرتے ہوئے اس خلافت تیس سالہ کو ہی باطل قرار دیا جائے اور اس بات کا ذرہ برابر خیال دل میں نہ لایا جائے کہ یہ وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم کے معیار پر صحیح اُتری ہے۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ دونوں حدیثیں بظاہر متضاد ہوتے ہوئے بھی محدثین کے نزدیک اُن کی صحت و قوت مسلمہ ہے لہذا دونوں حدیثوں میں سے کسی بھی حدیث کو اسباب علم کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اب میرے نزدیک تطبیق و موافقت کی بس ایک ہی صورت ہے کہ خلافت راشدہ کی دو قسمیں قرار دی جائیں۔ اول: خلافت راشدہ خاصہ۔ دوم: خلافت راشدہ عامہ۔ خلافت راشدہ خاصہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾
 تم میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے
 ہیں اللہ نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں
 زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے
 پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس خلافت راشدہ کا وعدہ ان مومنین سے کیا جا رہا ہے جو نزول آیت کے وقت بقیہ
ت موجود تھے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ﴾ خود ہی
رکھ رہے ہیں کہ اس کے مخاطب وہی ہیں جو نزول آیت کے وقت زندہ موجود تھے
”جمع حاضر کا صیغہ ہے نہ جمع غائب کا۔ لہذا آیت کے دائرے کو حاضرین وقت سے
زکریا دینا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ اگر خداوند عالم کا منشا یہ ہوتا کہ یہ وعدہ قیامت تک
مسلمانوں کے لیے ہے تو ”منکم“ کا صیغہ استعمال نہ کیا جاتا۔

الغرض اس آیت کے موعود لهم وہی مومنین صالحین جو بوقت نزول موجود ہو کر
ب آیت تھے اور وہ صرف مہاجرین ہیں۔ اس لیے جب کوئی مہاجر سریر خلافت پر نظر
تو یقین کر لیجئے کہ وہ خلافت راشدہ بلاشبہ موعودہ اور خاصہ ہے اور ہمیں صرف چار
رین نظر آتے ہیں جو سریر خلافت تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور
ت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ یہ حضرات اربعہ نزول آیت کے وقت بقیہ حیات موجود تھے
م صیغہ جمع حاضر کے دائرہ مخاطب میں تھے اور چار حضرات کے سوا کوئی اور مہاجر
نہیں ہوا۔ لہذا بس انہیں چار حضرات کی خلافت کو خلافت راشدہ خاصہ کہا جائے گا۔

خلافت راشدہ خاصہ کے تحت یہ چار حضرات یکے بعد دیگرے تیس سال رونق افروز
جس کی تفصیل ’حدیث خلافت تیس سالہ‘ کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔ لہذا حدیث
میں جس خلافت کی مدت تیس سال بتائی جا رہی ہے اس خلافت سے مراد خلافت
خاصہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئی۔
اب تطبیق کی واضح صورت جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ جس حدیث میں صرف تیس
کی خلافت کا ذکر ہے اس میں صرف خلافت راشدہ مراد ہے اور جس حدیث میں بارہ

قریشی خلفاء کو مسند خلافت پر دکھایا جا رہا ہے وہاں مطلق 'خلافت نبویہ' مراد ہے جو اپنے دونوں افراد یعنی خلافت راشدہ خاصہ اور خلافت راشدہ عامہ پر مشتمل ہے۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت خواہ خاصہ ہو یا عامہ۔ بہر صورت راشدہ اور مرشدہ ہوگئی کیونکہ یہ دونوں 'خلافت راشدہ' ہی کی قسمیں ہیں تو جب مقسم خلافت راشدہ ہے تو اس کے اقسام بھی یقیناً راشدہ ہوں گے۔ اور پھر ہم خلافت عامہ کو غیر اسلامی خلافت کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ اس کے تحت پر بیٹھنے والے بارہ قریشی خلفاء کو شارع علیہ السلام اپنی زبان حق ترجمان سے اپنے خلفاء فرما رہے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ سے یہ امید رکھنا کہ وہ مالکان ملک عضو سے کو اپنا خلیفہ قرار دیں گے۔ کیا فسادِ قلب نہیں؟

اس مقام پر صرف ایک شبہ رہ جاتا ہے جس کا ازالہ بیحد ضروری ہے۔ حدیث سفینہ میں تیس سال خلافت خاصہ کے بعد کے دور کو 'ثم یصبر ملکا عضوضا' کہا گیا ہے۔ جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ کے بعد متصلاً جو خلافت ہوگی وہ شرعاً خلافت نہیں بلکہ ملک عضوضا ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے 'ملکا عضوضا' کا ترجمہ کرنے سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ حدیث میں لفظ 'ملکا' کا اعراب کیا ہے۔ یہ لفظ آیا 'مَلْکًا' ہے یا 'مُلْکًا' یعنی اس لفظ کا ترجمہ مُلْک کیا جائے یا مَلْک۔ ارباب علم واقف ہیں کہ حدیث میں لفظ ملک بضم میم یعنی مُلْک ہے جس کے معنی مشہور و معروف ہیں۔ یہ لفظ 'مَلْک' نہیں ہے اس لیے کہ یہ لفظ 'الخلافت' کے بعد واقع ہو رہا ہے اور لفظ الخلافة غیر وصفی ہے لہذا اس کے مقابلہ میں بھی غیر وصفی لفظ ہونا چاہئے۔ عبارت کی سلاست اور فنِ بلاغت کا یہی تقاضہ ہے۔ اگر یہ لفظ مَلْک ہے تو ابتداء میں الخلافة کے بجائے الخلیفۃ ہونا چاہئے تھا تا کہ دونوں جگہ وصفی لفظ ہو جائیں۔

مذکورہ بالا تشریح حضرت علامہ ابن حجر مکی نے اپنی معرکتہ الآراء کتاب تطہیر الجہان
اللسان میں کی ہے اور اسی حدیث کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

يُصِيبُ النَّاسَ فِيهِ ظُلْمٌ وَعَصْفٌ كَانَهُمْ
يَعْضُونَ عَضْلًا لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں گے۔

تو یہ کاٹ کھانے کا وصف لوگوں کا آپس میں ہوگا کیونکہ عبارت مذکورہ میں يَعْضُونَ
کی ضمیر لفظ 'ناس' کی طرف راجع ہے اور لفظ 'فیہ' خود بتا رہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ مُلْک
میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اس لیے کہ مُلْک ظرف مکان ہے جس کے لیے 'فی' آتا ہے۔
اگر یہ لفظ یفتح میم یعنی مُلْک ہوتا ہے تو اس کے لیے علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ 'فیہ' نہ لکھتے۔
نحوی قواعد کی رو سے 'فیہ' یہاں موزوں نہیں۔ اب لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ لفظ واقعتاً مُلْکاً
عضوضاً ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ تیس سالہ خلافت راشدہ خاصہ کے بعد جو مُلْک ہوگا وہ عضوض ہوگا
یعنی اس مُلْک کی رعایا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرے گی۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا
ہے کہ مُلْک کا والی بھی ظالم ہوگا۔

تجدید و احیائے دین کے مصنف کی ایک درج کردہ حدیث جس میں پانچ اُدوار
خلافت کا ذکر ہے کا محاکمہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
کچھ چھوی دامت برکاتہم جانشین حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

'یہ تیسرا دور جن لوگوں پر مشتمل ہے اس میں اکثر 'ملک عاض' ہیں اسی لیے
لَاکْثَرُ حَکْمِ الْکَلِّ' (یعنی اکثر حکم میں کل کے ہوتا ہے) کے طور پر یہ فرما دیا گیا ہے۔

ورنہ اسی دور کے سربراہوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسی

مگر اس قدر مسلمہ شخصیت بھی نظر آتی ہے جس کی خلافت یقیناً خلافت علی منہاج النہوت اور وہ بالیقین خلیفہ راشد تھے۔

علی ہذا القیاس اگر جبری دور میں بھی کہیں خال خال کوئی صاحب تقویٰ و طہارت خلافت علی منہاج النہوت کا نقشہ پیش کر دے۔ جب بھی اکثریت پر نظر رکھتے ہوئے اس دور کو جبری دور کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جس طرح کہ سرکارِ رسالت مآب ﷺ نے غلبہٴ خیر کے سبب اپنے دور کو سب سے اچھا ۱۰۰ فرمایا۔ ورنہ منافقین کی شرانگیزیوں اس وقت موجود تھیں مگر نہایت درجہ مغلوب تھیں۔ پھر اپنے صحابہ اور پھر تابعین کے دور کو اچھا فرمایا۔ حالانکہ ریشہ دوانی مروان، شہادت عثمان، جنگ صفین، جنگ جمل، جنگ نہروان، حتیٰ کہ معرکہ کربلا وغیرہ سب انھیں دوا دوار کی چیزیں ہیں مگر اس کے باوجود چونکہ اس دور میں بھی تمام شر و فساد پر خیر غالب رہا لہذا اس کو زمانہ خیر کہا گیا۔ ۱

الحاصل شر کے ہوتے ہوئے محض 'کثرت خیر' کی بناء پر قرون ثلاثہ کو 'خیر القرون' کہا گیا ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین مہدیین کے ہوتے ہوئے محض کثرت ظالمین و جابرین کی بناء پر خلافت راشدہ خاصہ کے بعد کے دور کو 'ثم یصیر ملکا عضوضا' کہہ کر 'جبری' دور بتایا گیا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب بلا تعین شخصیت صرف یہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور (الخلفاء بعدی اثنا عشر) میں خلفاء سے مراد وہ ہیں جنہوں نے فرائض خلافت کے ادا کرنے میں حتیٰ الوسع کوتاہی نہیں کی۔ اور ملک کو عدل و داد اور ملت کو تبلیغ و اشاعت سے

آباد رکھا۔ اس صحیح معنی کے استعمال سے ظالمین اور فاسقین کا طبقہ نکل جاتا ہے۔ اور چھ کی تعداد بھی پوری ہو سکتی ہے۔ بنی اُمیہ میں گیارہ پشت اور بنی عباس میں ۳۳ پشت حکومت اس بڑی تعداد سے صرف چھ شخصیتوں کا منتخب کرنا بغیر کسی وجہ موجب کے کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے؟ اس لیے میرے خیال میں باقی چھ خلفاء کے انتخاب میں قاضی صاحب کے بیان کردہ معیار کو ملحوظ رکھنا بہت مناسب ہے۔ ۱۔

اتنا لکھنے کے بعد شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی دامت برکاتہم جانشین حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ جو کچھ فرماتے ہیں اُسے ہم کمال اختصار سے پیش کرتے ہیں۔

’اول: امیر معاویہ:..... دوم: معاویہ بن یزید.....‘

سوم: عبداللہ ابن زبیر..... چہارم عمر ابن عبدالعزیز.....‘

پنجم خلیفہ ہادی۔..... ششم خلیفہ مہدیؑ۔ ۲۔

مجدد مآتہ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کسی نے تعداد خلفاء کے بارے میں ان کا نقطہ نظر دریافت کیا تو مجدد موصوف نے جو جواب دیا اسے المفلوظ ملکہ آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ میں اس سوال و جواب کو من و عن نقل کرتا ہوں۔

’عرض۔ کن کن خلفاء کی خلافت‘ راشدہ تھی؟

ارشاد۔ ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت، راشدہ تھی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ ہوگی‘۔ (المفلوظ، حصہ سوم، ص ۹۲)

مجدد موصوف صرف انھیں خلفاء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا راشد و مرشد اور ہادی و مہدی ہونا اظہر من الشمس ہے کیونکہ حضرت سیدنا عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سوا باقی سارے خلفاء 'صحابی رسول' ہیں، اکابر ملت میں سے ہیں جن کی عدالت و ثقاہت کی ضمانت کتاب و سنت نے لی ہے۔ اب رہے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تو ان کو جو راشد و مہدی نہ تسلیم کرے تو خود اپنے لیے رشد و ہدایت کی راہ تلاش کرنی چاہئے۔

خلفائے راشدین کے بارے میں ایک اور حدیث رسول ہے جس کے ہر ہر لفظ کے مصداق امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **عليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين** تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے المہدیین من بعدی۔ راشدین کی سنت واجب ہے۔

اس میں چار لفظ قابل غور ہیں۔

۱- خلیفہ

۲- راشد

۳- مہدی

۴- من بعدی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انفرادی طور پر ان چاروں الفاظ کے بلا شک و شبہ مصداق ہیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ کے مطالعہ سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ اعلم انه يشترط في الخليفة ان يكون عاقلاً ، بالغاً ، حراً ، ذكراً ، شجاعاً ، ذرائع وسمع وبصر ونطق ومن مسلم الناس شرفه ، وشرف

واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر، عاقل، بالغ، آزاد، مرد، شجاع، صاحب رائے، سننے والا، دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے اور اسے ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں۔

۲۔ خلیفہ کا مسلمان، عالم، اور عادل ہونا بھی ضروری ہے (منها الاسلام والعلم والعدالة)۔ ۲

۳۔ خلیفہ قریشی بھی ہو۔ (قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الائمة من قریش)۔

الحمد للہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، عاقل، بالغ، آزاد، شجاع، صاحب الرائے، صاحب سمع وبصر تھے اور مسلمان، عالم، عادل اور قریشی بھی تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس کے بعد شاہ صاحب انعقاد خلافت کی چند صورتیں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اہل حل وعقد کی بیعت سے خلافت منعقد ہو جاتی ہے۔ بیعتہ اہل الحل والعقد من العلماء والرؤساء۔ ۳

۲۔ وصیت سے بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے۔ جیسے وصیت ابو بکر سے خلافت عمر قائم (کما انعقدت خلافة عمر رضی اللہ عنہ)۔ ۴

۳۔ قوم کے مشورہ اور اتفاق سے خلافت کا انعقاد صحیح ہے۔ (يجعل بين قوم)۔ ۵

۴۔ کوئی شخص جس میں خلافت کی جملہ شرائط پائی جاتی ہوں لوگوں پر غالب آ جائے اور لوگ اس کے غلبہ کو قبول کر لیں تو اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی (واستیلاء رجل جامع للشروط علی الناس)۔ ۶

علامہ عبدالغنی تاتلیسی قدس سرہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

شرط الامامة انها خمسة الاسلام امام کبریٰ کی پانچ شرطیں ہیں۔ مسلمان، بالغ، والبلوغ والعقل والحرية وعدم عاقل، آزاد اور عادل ہونا۔
الفسق

اب ملاحظہ ہو تمہید امام، ابوہکمر سالی کی سند یہ کتاب اتنی مستند ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے درس میں پڑھا ہے۔

ان معاویہ کان علما من غیر فسق حضرت معاویہ عالم تھے فاسق نہیں تھے
وكانت الديانة ولو لم يكن متدينا لكان دینداری تھے اگر وہ دیندار نہ ہوتے تو ان
لا يجوز الصلح معه وكان عادلاً فيما کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی۔ وہ عادل تھے۔
بين الناس ثم بعد على كان اماماً على حضرت علی کے بعد امام برحق تھے۔ دین
الحق عادلاً في دين الله وفي عمل اور معاملات ناس میں عادل تھے۔
الناس۔

جب حضرات حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تو پھر دیکھتے دیکھتے دُنیاۓ اسلام بیعت معاویہ کے دائرے میں آگئی اور ایک فرد بھی باقی نہ رہا جس نے دست معاویہ پر بیعت خلافت نہ کی ہو۔

اس تفصیل نے حدیث مذکور کے پہلے لفظ 'خلفہ' کے صدق کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کر دیا۔ اب اس حدیث کا دوسرا لفظ 'راشد' ملاحظہ ہو۔

قرآن پاک جس کا ہر فیصلہ قطعی اور ناقابل انکار ہوتا ہے صحابہ کرام کے بارے میں یہ اعلان کرتا ہے:

أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ۔ یہ سب راشد ہیں۔

جب ہر صحابی عند اللہ اور عند الرسول راشد ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومن کامل، مخاطب آیت اور جلیل القدر صحابی ہونے کی بنیاد پر 'راشد' نہ سمجھا جائے۔ اگر وہ صحابی اور مومن کامل ہیں تو پھر ان کے راشد ہونے میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ خدا عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اُسے حق ہے کہ صحابہ کے بارے میں فیصلہ کرے۔ اب جب وہ ان سب کو راشد فرما رہا ہے تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم سب سر تسلیم خم کر دیں۔

حدیث مذکور کا تیسرا لفظ 'مہدی' ہے اور لاریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہادی اور مہدی ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

لَهُمْ اَجَلُهُ هَادِيًا وَمَهْدِيًا وَاهِدًا بِهِ. اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی اور
(جامع ترمذی) لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت قتادہ نے فرمایا: 'هذا المهدي'۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدہ مند ابو اہلحق اسمعیلی نے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'مکان المهدي' فرمایا۔ حضرت مجاہد نے بھی 'هذا المهدي' فرمایا۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عمیر رضی اللہ عنہ (گور زحمص) نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی 'مہدیت' کا اعتراف و اعلان کیا ہے جس کی تفصیل آپ پچھلے صفحات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حدیث کا چوتھا لفظ 'من بعدہ' ہے۔ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ من بعد الرسول ہونا اظہر من الشمس ہے۔

الغرض حدیث رسول "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين"

کے ہر لفظ کے مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انفرادی طور پر بھی ہیں جو اپنے خلفائے راشدین کے بارے میں سرکار ابد قرار علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن اڑیسہ کا (کربلا کا مسافر صفحہ ۲۰۹) پر ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔

’حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امور خلافت پر چند شرائط کے تسلیم کرانے کے بعد بیعت فرمائی..... اُس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہوئے۔‘

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ :-

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلام کی شوکت اور عوام کی خوش حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابن کثیر رقمطراز ہیں:

الجهاد في بلاد عدو قائم وكلمة الله	ممالک کفار میں سلسلہ جہاد جاری تھا کلمۃ اللہ
عاليه والغنائم ترد اليه من اطراف	کا بول بالا تھا۔ ہر طرف سے غنیمتیں سٹ کر
الارض والمسلمون معه في راحة	آتی تھیں۔ اور مسلمان اُن کے دور میں عدل و
وعدل وصفح وعفو۔	انصاف اور راحت و آرام سے ہمکنار تھے۔

شیعی مورخ امیر علی کو بھی اعتراف ہے:

On the whole Muaviyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad. (History of strances page 82)

ترجمہ: ’مجموعی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اندرون ملک بڑی خوش حال اور پر امن تھی۔ اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔‘

آپ نے ملک کے غیر منظم معاملات کو پھر سے منظم کیا۔ ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ کو خود کفیل بنایا۔ ہر صوبے کی سالانہ آمدنی کو اسی صوبے کی ترقی پر خرچ کرنے کی ہدایات دیں۔ سوائے ایک مختصر سی رقم کے جو ہر سال مرکز کو بھیجی جاتی تھی، ہر صوبے کی زکوٰۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہیں صرف ہو جاتی۔ اس سے یہ ہوا کہ ہر صوبے میں ترقی اور خوش حالی کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیت المال میں روپیہ دیتے۔

رفض و خروج:-

خوارج کی بڑھتی ہوئی شرانگیزیوں شورشوں اور فتنہ انگیزیوں کا قلع قمع اور اُس کی مکمل سرکوبی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہوئی، ۴۱ھ میں ایک خارجی فردہ بن نوفل نے کی تھی اسے زیاد ابن ابی سفیان نے سختی سے پورا کر دیا۔

ان تمام کاوشوں کا نتیجہ وہی نکلا جو امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ رفض و خروج میں دوبارہ ابھر کر قوم مسلم کے سامنے آنے کی ہمت نہ پڑے۔ امیر المومنین کا اُمت مسلمہ پر یہ ایک ناقابل فراموش احسان ہے۔

دیگر بغاوتیں:-

ان اندرونی شورشوں کے علاوہ مفتوح علاقوں میں بغاوت کی آگ بتدریج بھڑک رہی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہونے کے بعد ہی ۴۱ھ میں نہ صرف ہرات، بلخ، بادغیس اور بوشیخ وغیرہ علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کیا بلکہ بلخ کے مشہور و معروف آتش کدہ کو مسمار کر کے دُنیائے کفر کو زبردست شکست دی۔

عہد عثمانی میں جو علاقے مفتوح ہو گئے تھے وہاں کے باشندوں نے بھی بغاوت کر دی تو ۴۳ھ میں عبدالرحمن بن سمرہ کو جستان کا والی بنا کر بھیجا گیا اور ان کو کابل اور اس کے گرد و

نواح کی بغاوتوں کو فرو کرنے کی خاص ہدایات دی گئیں۔ کابل کی دوبارہ فتح کے بعد لشکر معاویہ نے بست کا رخ اختیار کیا اور بغیر خون خرابہ پورے شہر پر اسلامی قبضہ ہو گیا اس کے بعد طنجہارستان اور رنج پر قبضہ کرتے ہوئے لشکر معاویہ غزنہ پہنچا۔ اہل غزنہ کی زبردست شکست ہوئی اور اس طرح جہتان سے لے کر غزنہ تک پورا علاقہ جو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا پھر سے مملکت اسلامیہ میں داخل ہو گیا۔

کوفہ کے قریب خلافت اسلامیہ کے خلاف حکم بغاوت بلند کیا جس کے پڑا نچے فضا میں اڑادیئے گئے۔

اس کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی گورنری میں شیبہ بن بحرہ، معین بن عبد اللہ اور ابی لیلیٰ نے سراٹھایا مگر اُن کا بھی سارا زور توڑ دیا گیا۔ پھر ۳۳ھ میں مستور ابن علقمہ خارجی نے خفیہ سازش کی مگر موقعہ پر پہنچ کر اُن کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور گرفتار شدگان کو قتل کر دیا گیا اس طرح کی دواڑائیوں نے خوارج کے حوصلے پست کر دیئے۔

خارجیوں کی سرکوبی کے ساتھ ساتھ 'الفتنہ الباغیہ' یعنی سبائی باغی گروہ کی بھی مزاج پرسی ہوتی رہی کیونکہ اُن کی کلمہ گوئی پر ابن الوقتی کا ایسا غلبہ تھا جیسا کہ ہمارے زمانے میں بھی بعض حضرات جماعتی سطح پر 'کلمہ گوئی' کو ابن الوقتی کے جذبے کی تسکین کے لیے استعمال کرتے ہیں چنانچہ ضرورت تھی کہ اس فتنہ کا قلع قمع اس طرح کر دیا جائے کہ پھر قیامت تک اسے غلبہ نہ حاصل ہو سکے۔

اسی لیے جب ہرات، بلخ، بادغیس اور بوشخ وغیرہ کے علاقوں کے باشندوں نے بغاوتیں کیں تو امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان سب کو پست کر دیا۔

بصرہ جو سبائیوں کے فتنہ و فساد کا آماجگاہ بن چکا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمت عملی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سچی اسلامی لگن کی پشت پناہی سے ان سبائیوں کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی اور جو کچھ کمی رہ گئی اُ - زیاد بن ابی سفیان نے سختی سے پورا کیا۔

علاوہ ازیں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفزہ نے خیبر کے راستے سے فوج کشی کی اور کابل کی سرحدوں کو عبور کر کے سرزمین ہند میں اسلامی قدم رکھا اور ملتان تک پہنچے۔ جن لوگوں نے مزاحمت کی اُن کا قلع قمع کیا گیا۔ پھر وہ قلات کی طرف بڑھے یہاں تک کہ ترک سرداروں سے مقابلہ ہوا اور وہ سب مارے گئے۔

۵۴ھ میں لشکر معاویہ نے ترکستان کی جانب رخ کیا۔ اور رامنی اور بیکند نف کے کئی علاقوں کو فتح کر لیا اور بہت کافی مال غنیمت ہاتھ آیا ۱۔ ۶۵ھ میں عبید اللہ کی جگہ سعید بن عثمان بن عفان خراسان کے گورنر مقرر ہوئے انھوں نے دریائے جیخوں کو پار کر کے اگلے علاقے پر حملہ کیا ۲۔ اور ایک دو لڑائیوں کے بعد بخارا کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ پھر مسلمانوں نے سرقت پر حملہ کیا اور فتح و کامرانی کو گلے سے لگاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے 'ترمذ' پر حملہ کیا لیکن وہاں کے لوگوں نے لڑائی پر صلح کو ترجیح دی۔ ۳

بحری فتوحات کے سلسلے میں علامہ خیر الدین زرکلی اپنی مشہور کتاب 'الاعلام' میں لکھتے ہیں:

هو اول مسلم ركب بحر الروم للغزو امیر معاویہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم
وفی ایامہ فتح کثیر من جزائر کو جنگ کے لیے اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا
یونان والدرنیل۔ اور آپ کے عہد میں یونان کے بیشمار جزیرے
اور دریائے نیل کے علاقے فتح ہوئے۔

۴۷ھ میں غوریوں نے بغاوت کی تو اُس کا بھی منہ توڑ جواب دیا گیا۔ ۱۔
الغرض جہاں جہاں فتنہ و بغاوت کے آثار نظر آئے فوراً دفاعی طاقتوں کو بروئے کار لاکے
تدارک کیا گیا اور اس طرح مملکت اسلامیہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔

فتوحات اسلامیہ:- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافع

نے ۴۱ھ میں شمالی افریقہ کی طرف لشکر کشی کی اور لوائہ، زناتہ، کے علاقوں کو فتح کر لیا۔ پھر
۴۲ھ میں غدامس پر قبضہ کیا اور ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض علاقوں کو اسلامی حکومت میں
شامل کر لیا۔ ۲۔ اس زمانہ میں معاویہ ابن خدیج نے افریقہ کے ایک ساحلی تہرات کو فتح
کر لیا۔ پھر ۴۵ھ میں آپ نے بڑے اہتمام سے دوبارہ لشکر کشی کی۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر،
سیدنا عبداللہ ابن زبیر اور سیدنا عبدالملک رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ اور اکابر قریش اس لشکر
کے ہمراہ تھے۔ عبداللہ ابن زبیر نے سولا اور عبدالملک نے جلولا فتح کیا۔ ۳۔

اسی طرح افریقہ کے وہ باشندے جو بربر کہلاتے تھے۔ اُن کی باغیانہ سرگرمیوں
کو نیست و نابود اور ان کی سرکشی کو مٹانے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں
عقبہ بن نافع کو روانہ کیا۔ آپ نے ان باغیوں کے باروجود سے دھرتی کو ہلکا کیا۔
اور انسدادِ فتنہ کے لیے آپ نے قیرون نامی شہر بسایا۔ ۴۔

صاحب فتوحات اسلامیہ لکھتے ہیں:

’جزیرہ قبرص، روڈس اور بعض جزائر یونان کی فتح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم کارنامے ہیں‘۔ ۱۔

روڈس کی فتح کے اگلے سال یعنی ۶۴ھ میں جنادہ بن ابی اُمیہ اور مجاہد دونوں حضرات نے مل کر ارواڈ کے جزیرے پر حملہ کیا، جو قسطنطنیہ کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں کی نوآبادی قائم فرمائی اور اس جزیرے کو اسلامی اقتدار کے زیر اثر لانے کے بعد آپ نے بحری حملوں کے لیے اس کو صدر مقام قرار دیا۔

شجاعت معاویہ رضی اللہ عنہ :-

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ’قیساریہ‘ کی مہم پر متعین کرنا اور آپ کا اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہونا آپ کی شجاعت و بسالت کی بین دلیل ہے، قیساریہ کی مہم اس قدر سخت تھی جس میں لشکر اسلام اسی ہزار رومیوں کو خاک و خون میں لوٹا کر کامیاب ہوا تھا۔ درانحالیکہ رومیوں نے سردھڑ کی بازی لگادی تھی۔ اس مہم کی اہمیت کا اندازہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

اما بعد فانی قد لیتک قیساریہ	اما بعد میں تم کو قیساریہ کی مہم کا انچارج
فسوالیہا و استنصر اللہ و اکثر من	مقرر کرتا ہوں۔ تم اس مہم پر جاؤ اللہ سے
قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔	مدد طلب کرو اور کثرت سے لا حول ولا
	قوة الا باللہ پڑھا کرو۔

نیز بیروت، عرقہ، صیداء کی مہمات کی فتوحات بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی
بے پناہ شجاعت و بہادری کی مرہون منت ہیں۔ ۱۔

کان (معاویہ) ملکاً مہیباً شجاعاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک باہمت و شجاع
جواڈا حلیماً۔ ۲۔
صاحبِ جود و سخا اور حلیم و بردبار تھے۔

سیاسی شعور:-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

لا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی جہاں میرے کوڑے سے کام نکلتا ہے تلوار
ولا اضع سوطی یکفینی لسانی ولو کام میں نہیں لاتا۔ جہاں میری زبان کام
ان بینی و بین الناس شعرة ما دیتی ہے وہاں کوڑے کو کام میں نہیں لاتا۔
القطعت۔ ۳۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر
بھی روئے تعلق ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔

لوگوں نے پوچھا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا:

كنت اذا مددھا خلیتها واذا خلوها جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیتا
مددتھا۔ ۴۔ ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ
لیتا ہوں۔

ایک دفعہ فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو خود بھی بہترین مدبر تھے
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔

’میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر؟ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قتل کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور جب آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر ہی لیا ہے۔‘
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

’بخدا! میں تو اس وقت اقدام کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ اقدام کا موقع ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے۔‘ ۱۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی شعور اور ان کی بالغ نظری کی تعریف و تحسین امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

تذكرون كسرى و قيصر و دهلهما تم كسری و قیصر کی سیاست و تذکر کو یاد کرتے
وعندكم معاویہ ۲۔
ہو جب کہ تم میں معاویہ موجود ہیں۔

حلم :- ارشاد نبوی ہے:

معاویہ احلم امتی واجودھا ۳۔
معاویہ میری امت میں سب سے زیادہ
حلم اور صاحب جود ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

ما من شیء الذعندي من غیظ الجزعه . میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ
کوئی چیز نہیں۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سخت کلامی کی۔ اس پر لوگوں نے اذراو تعجب کہا کہ امیر المومنین آپ ایسی باتوں میں بھی بردباری سے کام لیتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی لا احول بین الناس و بین
السنتهم مالم یحولوا بنیاد بین
سلطاننا۔ ۱

امیر المومنین اکثر فرمایا کرتے تھے:

افضل الناس من اذا اعطى شکروا
اذا ابتلى صبروا اذا غضب کظم
واذا قدر غفروا اذا وعد الجزوا اذا
ساء استغفروا۔ ۲

بہترین شخص وہ ہے کہ جسے جب ملے تو شکر
کرے اور جب مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر
کرے جب غصہ آئے تو پی جائے اور جب
قدرت ہو تو معاف کرے جب وعدہ کرے
تو پورا کرے اور جب کسی سے برائی کرے
تو معافی مانگ لے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ریمارک امیر المومنین حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملاحظہ ہو۔

’وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا۔
اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اسے پالیا۔ اس کا حلم اس کے غضب پر
غالب ہے اور سخاوت بخل پر۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ قطع رحم نہیں کرتا۔ ملاتا ہے جدا
نہیں کرتا لہذا اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔‘ ۳

جذبہ خدمتِ خلق :-

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نہایت باوقار اور صاحب علم بزرگ تھے، علم و بردباری آپ کا خاصہ تھا، آپ بیک وقت ایک بہترین کاتب، ایک بہترین شاعر، ایک بہترین مدبر، ایک بہترین حکمران اور ایک بہترین خطیب تھے۔ شجاعت و بسات آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور علم و حکمت زر خرید غلام۔ تفقہ فی الدین میں تو ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت کافی ہے وہ فرماتے ہیں :

اصاب فانہ فقیہ ! ٹھیک ہے بیشک معاویہ فقیہ ہے۔

مسعودی صاحب جیسا عالی مورخ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھے بغیر نہیں رہتا کہ:

’آپ دربار میں جانے سے قبل روزانہ مسجد میں جا کر کمزور و ناتواں اور نادار لوگوں اور لاوارث بچوں کی شکایتیں سنتے اور اُن کا تدارک کرتے۔ بلکہ اشراف و اعیان تک کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جو لوگ کسی وجہ سے میرے پاس نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات مجھے بیان کیا کریں۔‘ ۱

بچوں کی پرورش :- رعایا کے بچوں کی پرورش کے لیے عہد فاروقی میں سب سے

پہلے وظیفہ مقرر ہوئے، عہد عثمانی میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ عہد معاویہ میں بھی اس سلسلے کو برقرار رکھا گیا۔ مگر بچوں کی غیر معمولی کثرت کے پیش نظر صرف یہ ترمیم کی گئی کہ وظیفہ اس وقت دیا جانے لگا جب بچہ دودھ چھوڑ چکا ہو۔ یعنی اس کی عمر تقریباً دو سال کی ہو چکی ہو۔ عہد فاروقی میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ شروع ہو جاتا۔

علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ بقریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے کہ کس کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے وہ سرکاری ملازمین نہ صرف بچوں کی پیدائش ہی کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خبر رکھتے کہ کس کے یہاں کون مہمان آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور ان سب حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے۔ ۱۔

تعمیر مساجد:- عہد معاویہ میں کثرت سے مساجد کی تعمیر ہوئی اور بہت سی مسجدوں کو ضرورتاً توڑ کر از سر نو وسیع پیمانے پر بنوائی گئیں مثلاً بصرہ کی جامع مسجد توڑ کر پھر سے بنائی گئی۔ بصرہ میں ہی کابلی طرز کی ایک اور مسجد بنائی گئی۔ مصری مساجد میں میناروں کا رواج نہیں تھا چنانچہ تمام مساجد کے مینار تعمیر کیے گئے ۲ قبرص میں کافی مساجد بنائی گئیں۔ قیروان کی آبادی میں ایک بہت بڑی مسجد بنائی گئی۔ ۳۔

اس طرح ایک طرف بیٹار مساجد بنوا کے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عاقبت سنواری، تو دوسری طرف صدائے اللہ اکبر سے پوری اسلامی فضا گونجنے لگی جو کفار و مشرکین کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر ان سب کو دعوت اسلام دیتی تھی۔ جس کا قلق 'کفر' کو آج تک ہے۔

غیر مسلموں سے ایفائے عہد:- آپ نے غیر مسلموں سے معاہدات اور اُن کے جذبات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ عہد فاروقی میں یوحنا گر جاسے متصل ایک مسجد تھی جس کی توسیع کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ گرجے کو اسی میں شامل کر لیا جائے۔ لیکن جب عیسائیوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس اقدام کو مذہبی نقصان قرار دیا۔ تو فوراً امیر المومنین نے توسیع مسجد کے ارادے کو ترک کر دیا تاکہ اُن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ ۴۔

ترقی زراعت:-

آپ نے زراعت کی طرف خاص توجہ فرمائی اس کو فروغ دینے کے سچائی کا معقول انتظام کیا۔ جابجا نہریں کھدوائی گئیں۔ جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ مدینہ الرسول کے آس پاس نہر کظامہ، نہر ارزق، اور نہر شہداء وغیرہ نہریں کھدوا کر نوع بنی آدم کے لئے زراعت کے وسائل مہیا فرمایا۔ عہد فاروقی کی 'نہر معقل' کو دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔ بخارا کے کوہستان سے بھی ایک نہر نکالی گئی۔ نہروں کے علاوہ پہاڑوں کے گھاٹیوں کے ہر چہار طرف سے روندہ کرتالاب بنوائے گئے جن میں برساتی پانی جمع ہوتا اور بوقت ضرورت اسی پانی سے آب پاشی کی جاتی۔ آب پاشی کے اس معقول انتظام کا قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہوا کہ صرف مدینہ منورہ کے آس پاس میں نہروں سے ڈیڑھ لاکھ و سق کھجوریں اور ایک لاکھ و سق گندم کی پیداوار ہو گئی تھی۔ ۲

محکمہ ڈاک:- عہد معاویہ میں نقل و حمل (Communications) کا بھی خاصا انتظام بالخصوص ڈاک کے لیے 'البرید' کے نام سے ایک مستقل محکمہ Department اس محکمہ کے تحت ہر بارہ میل کے بعد چوکیاں قائم کی گئیں اور ہر چوکی میں ایک تیز رفتار گھوڑا ہر وقت موجود رہتا تھا۔ علامت (Symbol) کے لیے گھوڑے کی دم تھوڑی سی کاٹ دی جاتی تھی تاکہ ہر ایک بآسانی سمجھ لے کہ ڈاک گھوڑا جا رہا ہے۔ گھوڑے کے گلے میں ایک گھنٹی لٹکا دی جاتی تھی تاکہ چوکی پر پہنچنے سے پہلے ہی چوکی پر رہنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ڈاک آرہی ہے۔ اس طرح وہ فورا نکل پڑتے اور ڈاک کا تبادلہ کر لیتے یونہی منزل بہ منزل ڈاک اور خبروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیا جاتا۔ ۳

افواج :-

عہد معاویہ میں باقاعدہ فوج کی تعداد دو لاکھ بیس ہزار (۲۲۰۰۰۰) تھی جو مختلف چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔ فوج کا اجمالی نقشہ حسب ذیل ہے۔

کوفہ کی چھاؤنی میں ۶۰ ہزار

بصرہ کی چھاؤنی میں ۸۰ ہزار

مصر کی چھاؤنی میں ۴۰ ہزار

شام کی چھاؤنی میں ۶۰ ہزار ۱

اختلاف موسم کے پیش نظر فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ اسلامی دفاع

میں تغیرات موسم اثر انداز نہ ہو سکے۔

(۱) شتائیہ (یعنی سرمائی فوج)

(۲) صائفہ (یعنی گرمائی فوج) ۲

اس کے علاوہ ایک مخصوص (Reserve) فوج بھی بنائی گئی اور اس کو بھی دو

حصوں میں بانٹ دیا گیا۔

(۱) بری (یعنی زمینی فوج)

(۲) بحری (یعنی سمندری فوج)

جہاز سازی کے کارخانے:-

اسلامی بحریہ کی مزید ترقی کے لئے ملک کے ساحلی علاقوں میں متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔ ۱ علامہ بلا زری رقم طراز ہیں:

’پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔ بعد ازاں اردن میں عکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا۔ ملک کے تمام کاریگر اور بڑھئی جمع کر کے ان کو تمام ساحلی علاقوں میں بسایا گیا تاکہ ان کارخانوں کے لیے لیبر (Labour) کی کوئی دقت نہ رہے۔ ۲

حضرات عبداللہ بن قیس الحارثی اور جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہما امیر البحر ہونے کے علاوہ ان کارخانوں کے نگران بھی تھے۔ ۳

غبد امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فی الواقع بحری جنگوں کے عروج و شباب کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں جتنی بحری لڑائیاں لڑی گئیں ان کی نظیر تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملتی ہے۔ ۴

چنانچہ بحریہ کے کمانڈران چیف حضرت عبداللہ بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ نے کم و بیش پچاس بحری لڑائیوں میں بحیثیت امیر البحر شرکت فرمائی اور خوبی یہ ہے کہ ان تمام لڑائیوں میں ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا۔

۱۔ حس الحاضر، ص ۱۹۹، فتح البلدان ص ۱۲۳، معاویہ ج ۱ ص ۳۶۰، معاویہ ص ۳۶۱۔

- مالیات :- عہد معاویہ میں یہ محکمہ نہایت مضبوط اور توانا تھا اور اس کے وسائل مندرجہ ذیل تھے
- ۱۔ 'خراج' خلیفہ المسلمین جن علاقوں کو فتح کر کے غیر مسلموں کے ہی قبضہ میں رہنے دے اور صلح و مصالحت کے تحت اس علاقے کی زمین کے لیے جو مال گذاری مقرر کرے اس کو اصطلاح شرع میں خراج کہتے ہیں۔
 - ۲۔ 'جزیہ' وہ کفار اور اہل کتاب جو اسلامی اقتدار کو تسلیم کر کے سالانہ تھوڑا سا ٹیکس دیتے ہیں تاکہ اسلامی اقتدار میں وہ مامون و محفوظ رہیں۔ اسی ٹیکس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔
 - ۳، ۴۔ 'زکوٰۃ و صدقات' ان دونوں کی تفصیل اس قدر مشہور و معروف ہے کہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔
 - ۵۔ 'شمس' مال غنیمت اور دغینہ سے لٹکے ہوئے سونے چاندی وغیرہ سے پانچواں حصہ سرکاری خزانے میں جمع کیا جاتا ہے۔
 - ۶۔ 'ضرائب' اگر بیت المال اور مال فنی، اور فقراء اور اہل حاجت کی معاشی حاجتوں کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفہ المسلمین اہل ثروت اور اغنیاء پر مزید ٹیکس عائد کر کے اُن کی ضروریات کو پوری کر سکتا ہے اور اگر اہل ثروت اور اہل دولت اس کے مانع ہوں تو اُن سے سختی کے ساتھ وصول کیا جاسکتا ہے۔
 - ۷۔ 'محصول' ویجبر السلطان علی ذلک (۱) اے فقہی اصطلاح میں 'عشور' کہتے ہیں۔ یہ وہ محصول ہے کہ جو دارالحرب اور دارالسلام کے درمیان تجارتی کاروبار جاری رکھنے والوں سے لیا جاتا ہے۔ خواہ تاجر مسلمان ہو، ذمی ہو، کافر ہو، یا حربی، البتہ محصول میں فرق ضرور ہے۔ ۱۔ محل لابن حزم۔

۸۔ 'فئے' اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کے مال چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے یا ان پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو مال 'فئے' کہا جاتا ہے۔

۹۔ 'عشر' عشر اس مقرر حصہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے۔

۱۰۔ کراء الارض خلیفہ المسلمین حکومت کی جس زمین کو سالانہ لگان مقرر کر کے کاشت کے لیے دے دیتا ہے اس وصول شدہ رقم کا نام کراء الارض کہلاتا ہے۔ ۱۔

صوبوں کی آمدنی:- تذکرۃ الصدور مذاات سے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مملکت کے مختلف صوبوں سے مندرجہ ذیل آمدنی تھی۔

۱۔	عراق اور اس کے ملحقات	۶۵۵ ملین درہم
۲۔	سواد اور اس کے ملحقات	۱۳۰ ملین درہم
۳۔	صوبہ فارس	۷۰ ملین درہم
۴۔	اہواز اور اس کے ملحقات	۴۰ ملین درہم
۵۔	یمامہ اور بحرین	۱۵ ملین درہم
۶۔	کوردجلہ	۱۰ ملین درہم
۷۔	نہاوند، دیور اور ہمدان	۴۰ ملین درہم

- ۸- رے اور اس کے ملکھات ۳۰ ملین درہم
 ۹- حلوان ۳۰ ملین درہم
 ۱۰- موصل اور اس کے ملکھات ۴۵ ملین درہم
 ۱۱- آذربائیجان ۳۰ ملین درہم
 ۱۲- مصر ۳ ملین درہم
 ۱۳- الجزیرہ ۵۵ ملین درہم
 ۱۴- فلسطین ۴۵ ملین درہم
 ۱۵- اردن ۱۸۰ ملین درہم
 ۱۶- دمشق ۴۵۰ ملین درہم
 ۱۷- حمص ۳۵۰ ملین درہم
 ۱۸- قسریں اور اس کے ملکھات ۴۵۰ ملین درہم ۱

عدالت :-

عدلیہ کو بالکل آزاد رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ قاضی امیر المومنین کو بھی عدالت میں طلب کر سکتا تھا۔ قاضی حضرات کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا کام کرتے تھے۔
منصب قضا عموماً صحابہ کرام کے سپرد تھا۔
 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے فضالہ بن عبد اللہ الانصاری اور ان کے بعد ابو اوریس الخولانی (رضی اللہ عنہما) کو محاکمہ قضا کا انچارج مقرر فرمادیا تھا۔

الغرض جب آپ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی پر نہایت دیانتداری کے ساتھ نظر دوڑائیں گے تو آپ کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ انھوں نے اپنے عہد خلافت میں مسجدیں بنوائیں۔ نمازیں قائم کیں ایتائے زکوٰۃ کیا۔ اچھی باتوں کا حکم کیا اور بری باتوں سے روکا۔

اور قرآنی بولی میں خلافت راشدہ و مرشدہ وہی ہے جس میں مذکورہ بالا امور

پائے جائیں۔

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾
وہ لوگ جنہیں ہم زمین پر جب حکومت عطا کرتے ہیں تو وہ اقامت نماز اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں۔ نیک باتوں کا حکم اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ (۴۱/۱)

گویا خلافت ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جس میں دینی امور کی تبلیغ و تشہیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پوری طاقت و توانائی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ احکامات الہیہ اور ارشادات مصطفویہ کا نفاذ ملک کے گوشے گوشے میں کیا جاتا ہے۔

اب اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فرماں روائی کو کتاب و سنت سے متصادم ثابت نہیں کیا جاسکتا تو لا محالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی ریاست فی الواقع اسلامی بولی میں خلافت ہے۔ اُسے ملوکیت سے تعبیر کرنا کتاب و سنت کا صحیح مطالعہ نہیں بلکہ تاریخی پروپگنڈے سے مرعوب ہونا ہے۔

خلافت راشدہ خاصہ، خلافت راشدہ عامہ اور ملوکیت میں جو نمایاں فرق ہے اس کو جانشین حضور محدث اعظم ہند شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی یوں بیان فرماتے ہیں:

’خلافت عامہ گو خلافت خاصہ کی طرح نہیں لیکن اس کے سریر و تخت پر بیٹھنے والا بھی ’بد اطوار‘، جابر اور غیر اسلامی نظریہ فکر کا حامل‘ نہیں ہوتا بلکہ اس کی صبح و شام اسلامی قوانین کی روشنی میں گذرتی ہے۔ ان دونوں خلافتوں کے علاوہ چہ دوسری حکومتیں ہیں وہ خلافت نہیں بلکہ ملوکیت ہیں‘۔ ۱۔

مزید فرماتے ہیں:

’اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ نہ تو خلافت خاصہ کو غیر اسلامی کہا جاسکتا ہے اور نہ خلافت عامہ کو۔ اس لیے کہ اگر خلافت عامہ غیر اسلامی ہوتی تو اس کے تخت و سریر پر بیٹھنے والوں کو رسالت کی زبان حق ترجمان خلفاء بلقظہ دیگر اپنا خلیفہ نہ فرماتی‘۔ ۲۔

مسئلہ ولی عہدی:-

مفتی آگرہ علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں مسئلہ خلافت کی کوئی تفصیل نہ قرآن آیت میں ہے نہ حدیث میں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موجود ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے بعد کے خلیفہ کا تعین فرمادیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جائز ہے کہ خلیفہ وقت اپنے بعد کے خلیفہ کا انتخاب کر سکتا ہے یہ حرام اور ناجائز نہیں‘۔ ۳۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو سکتا ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر غور کرنے سے نتیجہ وہی نکلتا ہے جو مفتی آگرہ مرحوم نے پیش کیا۔

۱۔ حاشیہ اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب ص ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲ ص ۱۶۳

پس اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لیے یزید (پلید) کو نامزد کر دیا تو شرعاً کوئی فعل حرام نہ کیا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عہدہ خلافت کی اس وقت اہلیت رکھتا ہو۔ چنانچہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کے لائق سمجھا چنانچہ ان کے خطبہ سے ظاہر ہے۔

اللہم ان کنت عہدت یزید لما رأیت من فضله فبلغه ما املته واعنه الخ اے اللہ اگر میں نے یزید کو نامزد کیا اس وجہ سے کہ اس کو اس کے لائق سمجھا تو میری امید پوری فرمادے اور اس کی مدد فرما۔ (تاریخ الخلفاء)

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زبان سے بیان ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس میں صلاحیت خلافت سمجھ رہے۔ ۱۔

حضور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر صاحبزادے اور لاجواب فقیہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد تاریخ الخلفاء میں درج ہے۔ اس ارشاد میں یزید (پلید) کے فسق سے لاعلمی کی تصریح ہے:

عن ابن المکندر قال ، قال ابن عمر حین بویع یزید ان کان خیرا رضینا وان کان بلاء صبرنا۔ ابن مکندر کا بیان ہے کہ یزید کی بیعت کے بعد عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر یزید (پلید) اچھا ثابت ہوا تو راضی رہیں گے اگر مصیبت بنا تو صبر کریں۔

گویا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یزید پلید کے فسق کے بارے میں کسی فیصلہ کن منزل پہ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، بلکہ حضرات ابن علی

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

جب یزید کا فتق اس کے اپنے عہد میں ظاہر ہوا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام کیا؟ انہوں نے عادل، مسلمان اور خطیب و عالم سمجھ کر نامزد کیا، اب آگے چل کے وہ خراب ہو گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کیا کریں؟ کیا وہ عالم الغیب تھے۔ بقول مفتی آگرہ علیہ الرحمہ:

’احوال کے انقلاب میں دیر نہیں لگتی، ابھی بھلا تھا کل خراب ہو گیا‘۔ ۲

ایک موقع پر امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید (پلید) کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرماتے۔

ایلیزید اتق اللہ فقد وطأت لك هذا
الامرو ولیت من ذلك ما ولیت فان
لك خیرا سعد به وان كان غیر ذلك
شقیقیت به۔ ۳

خط کشیدہ جملوں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمال اخلاص اور حسن نیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یزید (پلید) کو ولی عہد بنانے میں جو ملی اور دینی خدمات جذبہ قلب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کار فرما تھا اس کی صحیح ترجمانی ہو رہی ہے اور اُس سے اُن کی پاک نیکی اور دیانتداری کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

اگر دل و دماغ کو ہر قسم کے تعصب سے پاک کر کے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شہادت عثمانی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور طالبان قصاص کا تلوار اٹھانا اور بعض شامیوں کا حد سے متجاوز ہونا وہ باتیں تھیں جس نے ذہنی طور پر اسلامی جانبازوں کو دو حصوں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں بانٹ دیا۔ ہاشمیوں اور اُمویوں کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہو گئی جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خون پسینہ ایک کر کے پانا اور الحمد للہ اُن کی خلافت اس اعتبار سے بہت کامیاب رہی چنانچہ علامہ ابو حنیفہ دینوری نہایت واضح الفاظ میں یہ فیصلہ کرتے ہیں :

لَمْ يَدْرِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ طَوْلَ حَيَاةِ
مَعَاوِيَةَ مِنْهُ سَوْءٌ فِي أَنْفُسِهِمَا وَلَا
مَكْرُوهُمَا وَلَا قَطْعَ مِنْهَا شَيْئًا مِمَّا كَانَ
شَرْطَ مَهْمَا وَلَا تَغْيِيرَ لَهَا عَزِيدًا

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر اُن کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات سے ایسی چیز بند کی جس کی ان کے لیے شرط لگائی گئی تھی اور نہ ان حضرات کے ساتھ حسن سلوک میں فرق آنے دیا۔

اسی طرح رہ رہ کر ذہن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ بات پیدا ہوتی رہتی تھی کہ ہاشمیوں اور اُمویوں کے درمیان جو صلح و محبت کی فضا ہموار ہو گئی ہے اور آج گلے سے گلہ ملا ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی قضیہ خلافت پیدا ہو، جو دامن اتحاد کو تار تار کر دے۔

افراد بنو ہاشم بہت قلیل اور افراد بنو امیہ کثیر ہیں۔ پھر اگر ہاشمی اور اموی یکپہ بن گئے تو صلح و مصالحت کے امکانات کافی تاریک ہو جائیں گے۔ اس لیے کیوں نہ مسئلہ خلافت کو میں اپنی زندگی میں حل کر دوں اور نامزدگی سے بہتر کوئی حل نہیں۔ یہی ایک ایسی صورت ہے جس کے موجب خلیفہ رسول ﷺ یعنی ابو بکر صدیق ہیں بس اسی کے ذریعہ امت کو اختلاف سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ اب خلیفہ یا تو ہاشمی ہو یا اموی۔ کیونکہ قریش کی یہی دو امتیازی اور متمم بالشان شاخیں ہیں۔ اب اگر وہ کسی ہاشمی کو نامزد کرتے ہیں تو امویوں کی بھاری تعداد اُس کے ساتھ نہیں ہوگی اور چند افراد کے سوا اس نامزد ہاشمی کا حامی اور مددگار نہ ہوگا (جیسا کہ مامون نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تو احتجاجاً عباسیوں نے مامون کی بھی بیعت توڑ دی اور شیرازہ اتحاد منتشر ہو گیا)۔

اسی لیے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امویوں میں سے کسی کو نامزد کرتے ہیں تو وہ ہاشمیوں کی عدم معاونت کے باوجود وہ مستحکم خلیفہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی پشت پر امویوں کی اکثریت کی طاقت ہوگی اور اس نے اگر صالحیت سے کارہائے خلافت کو انجام دیا تو ہاشمیوں کو میری طرح منانے میں کامیاب بھی ہو سکتا تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امویوں میں سے کس اموی کو نامزد کریں؟ یہ بھی تو تھا کہ وجہ ترجیح کا سہارا لے کر خود اموی آپس میں لڑ جائیں گے اگر ایسا ہوا تو بھی شیرازہ اخوت و محبت منتشر ہو جائے گا۔ اسی لیے اُن کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی کیونکہ خاندان بنو امیہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو یزید بن معاویہ سے اختلاف کرتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی مددگار نہ لگا ہوں سے دیکھ رہے تھے کہ اموی، اموی کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ تو تھی کہ امویوں کی اکثریت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجھ جیسے

مفصول کے مقابلہ میں دوٹ نہیں دیا تو پھر ان اُمویوں سے یہ امید رکھنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں حسین ابن علی (رضی اللہ عنہما) کو دوٹ دیں گے۔ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے یزید (پلید) کو ولی عہد بنانے کی وجہ یہی بیان کی ہے۔ وہ مسئلہ ولی عہدی کے بارے میں فرماتے ہیں:

’اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرتا ہے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے اُمور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلہ دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے۔ اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہئے یہ بات اُن لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ یا بیٹے کو مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں نہ باپ کو اور یہ عمل حقیقت میں بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے خصوصاً جب کہ کسی خاص مصلحت کا تقاضا بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ یا کسی خاص فتنہ و فساد سے بچاؤ مد نظر ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کو سرے سے گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید (پلید) کو اپنا جانشین بنایا تو اُن کے اس فعل پر بنی اُمیہ کے اربابِ حل و عقد کا اتفاق اُن کے لیے کافی حجت تھا اور اسی اتحاد و اتفاق کی مصلحت کو سامنے رکھ کر انھوں نے اور لوگوں کو چھوڑ کر یزید کو اپنی جانشینی کے لیے چھاننا۔ یہ صحیح ہے کہ بنی اُمیہ اس وقت یزید (پلید) کے سوا اور کسی اور کی ولی عہدی کے لیے رضامند ہونے والے نہیں تھے۔ اور وہ قریش اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے۔ خود با اثر تھے اور باشوکت، لہذا ان ہی حالات کے پیش نظر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر یزید کا انتخاب کیا اور فاضل و بہتر کو نظر انداز کر کے مفصول اور کمتر کو مسند سلطنت پر لائے۔ صرف اس

لا لچے سے کہ لوگوں کا اتحاد و اتفاق اور اُن کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کے بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے۔ ۱۔
مزید فرماتے ہیں:

’ولی عہد کے انتخاب میں عام لوگوں کے رجحان کو بڑا دخل ہے اور زمانے کے رنگ و صنف کا اس پر بہت اثر پڑتا ہے۔ زمانہ جیسے جیسے رنگ پلٹتا ہے۔ حالات دگرگوں ہوتے ہیں قبیلے اور عصبتیں اپنی رفتار بدلتی ہیں ویسے ہی ملک کے تقاضے لوگوں کے رجحانات کچھ کچھ ہوتے جاتے ہیں اور مصلحتیں نئی نئی پیدا ہوتی ہیں پھر ہر ایک کا حکم علیحدہ ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بات الگ۔ ۲۔
اور مزید فرماتے ہیں:

’اگر معاویہ طریق عمل بدلتے اور تقاضائے سلطنت کو نظر انداز کر کے لوگوں سے مخالفت کرتے تو جو اتحاد و اتفاق وہ پیدا کر چکے تھے وہ یک بیک ختم ہو جاتا، حالانکہ سلطنت کے تقاضے اور اتحاد و اتفاق کا وجود ان امور سے کہیں زیادہ اہم اور قابل رعایت تھے جو پیش آئے اور جن کے وقوع کے بعد کسی بڑی مخالفت کا اندیشہ نہ رہا۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز، قاسم بن محمد بن ابی بکر کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں اُن کو خلافت دیتا۔ اور اگر وہ قاسم کو ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تو کر بھی سکتے تھے۔ لیکن بنی اُمیہ کے ارباب حل و عقد سے خوف زدہ تھے کہ بنی اُمیہ میں سے سلطنت نکل جانے پر کہیں اُن میں نا اتفاقی اور پھوٹ نہ پڑ جائے‘۔ ۳۔

آگے فرماتے ہیں:

’لہذا اگر معاویہ رضی اللہ عنہ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید (پلید) کے علاوہ کسی اور کو مسند امامت پر لاتے تو اس کی امامت قبول کون کرتا اور دیکھتے دیکھتے وہ ختم ہو جاتی اور قوم اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔‘ ۱۔

مزید فرماتے ہیں:

’معاویہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو شورش مچ جاتی۔ کیونکہ بنو امیہ اپنے خاندان سے سلطنت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے اگر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنی امیہ خود اس پر پلٹ پڑتے۔ گو اس کے ساتھ پہلے سے کس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور اس کی خوبی میں کسی کو بھی شک و شبہ نہ ہوتا ورنہ اس کے خلاف معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کوئی خیال کرنا انصاف کا خون کرتا ہے۔ اُن سے یہ کب ہو سکتا تھا کہ یزید (پلید) کے فسق و فجور کو جانتے ہوئے اُس کو اپنا ولی عہد مقرر کر جاتے۔ خدا کی پناہ اُن کے بارے میں ایسی بد ظنی سے۔‘

ان تصریحات سے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد و نیت اور یزید ابن معاویہ کے صحیح حالات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنی زندگی میں ولی عہد کیوں بنایا۔

وصیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

امام ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ایک وصیت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج فرماتے ہیں، طوالت سے بچنے کے لیے میں صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

’اے یزید تم اللہ سے ڈرو، پس میں نے تمہارے لیے اس امر کو ہموار کر دیا ہے اور میں جس چیز کا والی تھا تمہیں اس کا والی بنا دیا۔ اگر یہ کام بہتر ہوگا تو اس سے خوش قسمت ثابت ہوں گا اور اگر یہ کام اس کے علاوہ ہوتا تو پھر اس کی وجہ سے ناکام اور بد نصیب ثابت ہوں گا، لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرتے رہنا اور تمہیں ایذا دینے والی چیزیں اگر اُن سے واقع ہوں تو نظر انداز کر دینا اس سے تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی اور حق میں رعایا کی اصلاح ہوگی، غیظ و غضب اور جھگڑے کی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ یہ شے تمہارے لیے اور تمہاری رعایا کے لیے باعثِ ہلاکت ہوگی۔ نیک اور بزرگ لوگوں کا لحاظ رکھنا اور اُن کی توہین اور اُن کے ساتھ تکبر اور غرور سے پیش آنے سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ لیکن اُن کے لیے اتنا نرم بھی نہ ہو جانا کہ وہ اس کو کمزوری اور ناتوانی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب ہونے دینا ان کو اپنے قریب تر رکھنا تاکہ وہ تیرا حق پہچان لیں۔ نہ اُن کی توہین کرنا نہ اُن کے حقوق میں کمی کرنا ورنہ وہ تیری توہین کریں گے اور تمہارے حقوق میں کمی کرنے کے درپے ہوں گے اور تمہارے راستے میں رکاوٹ بنیں گے، جب تو کسی کام کا ارادہ کرے تو نیک اور اہل تقویٰ حضرات میں سے اہل سن و تجربہ حضرات کو بلا کر مشورہ کرو اور اُن کی (طے شدہ) رائے کے بالتقابل خلاف نہ کرنا اور اپنی ضد پر اڑنے

سے بھی پرہیز کرتا۔ کیونکہ ایک شخص کی رائے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ جس بات سے تمہیں آشنائی ہو اُس کے بارے میں اگر تمہیں مشورہ دے تو اُس کی تصدیق کرتا۔ لیکن ان اُمور کو عورتوں اور خدام سے پوشیدہ رکھنا۔ ہر وقت مستعد رہنا اور اپنے لشکر کی اصلاح اور (بُری چیزوں سے) حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرے حق میں لوگوں کی اصلاح ہو جائے گی۔ اُن کو اپنے بارے میں خوشہ چینی کا بالکل موقع نہ دینا۔ کیونکہ لوگ بُرائی کی طرف جلد متوجہ ہوتے ہیں۔ نماز (جماعت) میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ پس اگر تو نے میری ان نصیحتوں پر عمل کیا تو لوگ تمہارے حقوق سے آشنا ہو جائیں گے اور تمہاری مملکت عظیم تر ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں تمہارا وقار بڑھ جائے گا۔

بیٹا! دیکھو اہل مکہ اور اہل مدینہ کے مرتبہ کو نگاہ میں رکھنا، کیونکہ وہی تمہاری اصل اور تمہارے خویش و اقارب ہیں اور شام کے لوگوں کے وقار کا بھی تحفظ رکھنا کیونکہ وہ بھی تمہارے فرماں بردار ہیں۔ سب شہروں اور علاقوں میں ایسے فرامین بھیجتے رہنا جن میں اُن کے ساتھ نیک سلوک کا عہد ہو کیونکہ اس طرح اُن کی امیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں سے وفد تمہارے پاس آئیں تو ان سے نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آنا۔ کیونکہ وہ اپنے پچھلے والے لوگوں کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ چغل خوروں اور بدگوؤں کی باتوں کو ہرگز نہ سننا کیونکہ میری رائے میں وہ بدترین مشیر ہوتے ہیں۔

علامہ طبری نے تاریخ الامم والملوک جلد ۶ صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰ پر ابو حنیفہ الدینوری نے اخبار الطوال صفحہ ۲۶۶ پر اور الحضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ پر وصیت کے نام پر کچھ موضوع عبارتیں بھی درج فرمائی ہیں۔ بقول واضح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید سے فرمایا:

’بیٹا! حکومت کے معاملہ میں تم سے اختلاف کرنے کا خطرہ سوائے قریش کے چار آدمیوں کے اور کسی سے نہیں اور چار آدمی یہ ہیں

۱- حسین ابن علی ۲- عبداللہ ابن الزبیر ۳- عبدالرحمن بن ابی بکر ۴- عبداللہ ابن عمر۔

جب حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو پھر ان سے خطرہ چہ معنی دارد۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری)

اور پھر یہ وصیت بستر مرگ پر ۶۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ۵۳ھ میں واصل بحق ہو چکے تھے۔ اب ایک ایسا آدمی جو ’وصیت‘ سے سات سال پہلے انتقال کر چکا ہو اُس کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا باہوش اور مدبر انسان یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مجھے خلافت کے بارے میں (وفات یافتہ) عبدالرحمن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) یا بیعت کرنے والے عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے خطرہ ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

افسوس ہے اس واضح پر جس نے وصیت گڑھی بھی تو اس بیوقوفی سے کہ تاریخ کا معمولی طالب علم بھی اُس کی تردید کر سکتا ہے۔

بہر حال یزید کو وصیت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاندان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

’میں اپنا آدھا مال مسلمانوں کے لیے بیت انمال میں دیتا ہوں‘۔ ۱۔

پھر تجبیز و تکفین کے بارے میں فرمایا:

’میرے پاس نبی کریم ﷺ کا جو کرتہ چادر اور تہہ بند ہے اس کا کفن بنانا، اور

جو میرے پاس حضور ﷺ کے بال اور ناخن ہیں وہ میرے منہ میں اور ناک

میں بھر دینا۔‘ ۲۔

۳۔ تاریخ الخلفاء میں

رسول اللہ ﷺ کے تراشیدہ بال اور ناخن آپ کے پاس تھے آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دیئے جائیں اور پھر مجھے میرے اور میرے رحم الراحمین پر چھوڑ دیا جائے۔

وكان عندنا شيئ من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وقلامة واطفاره فلو صبي ان تجعل في فمه وعينه وقال افعلوا ذلك واخلوا بيني وبين ارحم الراحمين . ۳۔

مقام غور و فکر ہے کہ جو موت کے وقت یہ نصیحت کرے اور حضور اکرم ﷺ کے تبرکات سے محبت کرتے ہوئے برکت حاصل کرے اُس کے وصال پر اسلام پر کیا کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

اہل سنت و جماعت کو بدعتی کہنے والوں کے لیے یہ لمحہ فکر ہے کہ جس تعظیم رسول ﷺ کے جذبہ بے پناہ کی بنیاد پر وہ سنیوں کو بدعتی کہہ بیٹھتے ہیں۔ وہی عشق و محبت کا جذبہ بے پناہ محابئی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ جس کا مقابلہ اور موازنہ آج کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔

قربان جائے قدم ناز معاویہ رضی اللہ عنہ پر جنہوں نے عملاً ثابت کر دیا کہ جو چیز رسول اعظم ﷺ سے منسوب و متعلق ہو اُس کی تعظیم و تکریم ایک جلیل القدر صحابی کے نزدیک بھی موجب نجات ہے۔

اے اللہ تو ہم سب کو راہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ تعظیم و محبت کو بدعت کہنے سے بچا۔ (آمین)

الغرض وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین ہوئی اور حضرت ضحاک ابن قیس (رضی اللہ عنہ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور مسلمانوں کا امیر و خلیفہ اٹھبتر سال (۷۸) کی عمر میں آنکھیں بند کر رہا ہے۔ جب دست اجل نے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تو لوگوں نے سر زمین دمشق میں نہایت رنج و ملال کے ساتھ اس اسلامی ہلال کو آغوش قبر میں میٹھی نیند سلا دیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

دفاع سیدنا امیر معاویہ

مطبع دارالاجل جلد ۱۲۰۱۳ء

رسائل فی افضال معاویہ

۱۴۳۴ھ

جلد اول



۱- رسالہ فی فضل معاویہ: شیخ محمد حیات سندھی

مترجم: مولانا محمد عبداللہ فہمی سندھی

۲- تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ: مولانا عبدالقادر بدایونی

مترجم: علامہ سید شاہ حسین گردیزی

۳- حضرت سیدنا امیر معاویہ کے بارے کیے گئے چند سوالات کے جوابات:

علامہ محمد عبدالرشید جھنگوی

۴- صافیہ لما وقع بین علی ومعاویہ: پیر سائیں غلام رسول قاسمی

۵- الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ: علامہ عبدالعزیز پرہاروی

مترجم: علامہ محمد اعظم سعیدی

دفاع سیدنا امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ اور الجلیل منذ ۲۰۱۳ء

رسائل فی افضال معاویہ

۱۴۳۴ھ

مکتبہ دارالکتاب
کراچی

جلد دوم (زیر طبع)

- ۱- حلم معاویہ: امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا
 - ۲- القول الرضی: مخدوم شیخ محمد ابراہیم ٹھٹھوی سندھی
 - ۳- شان امیر معاویہ: امام الحدیث سید دیدار علی شاہ محدث الوری
 - ۴- سیدنا امیر معاویہ: محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری
 - ۵- العقیدۃ الصافیہ: حضرت مولانا محمد عبد الجلیل گیاوی
 - ۶- فضائل حضرت امیر معاویہ: مولانا قاضی غلام محمود ہزاروی
 - ۷- شان امیر معاویہ: مولانا ابو الحقائق غلام مرتضی ساقی
- ان شاء اللہ عن قریب منظر عام پر جلوہ افروز ہوگی



ہادیہ جلیہ سنٹر غفرنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور - پاکستان

Ph: 042-37300651

Cell: 0300-7259263, 0315-4959263

الضیاء پبلیکیشنز